بچے کی تربیت

ابن فرید



مکتبہ الحسنات، رامپور، یو۔پی

بچے کی تربیت

ابن فرید

ایم اے (نفسیات) ایم اے (عمرانیات) ایم اے (انگریزی ادب)
شعبۂ عمرانیات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

شایع کردہ
مکتبۂ الحسنات رام پور۔ یوپی

مصنّف کی دوسری کتابیں

- گھریلو جھگڑے
- ہم کیسے رہیں
- زندگی کا سلیقہ
- نگینے
- چھوٹی بہو
- گھمنڈی گرگٹ
- معلوماتی کہانیاں
- بچیوں کی کتاب
- (قاعدہ — پہلی کتاب)

بار اول ۱۹۵۶ء تا چہارم ۱۹۶۹ء — ۴۰۰۰
پانچویں بار جون ۱۹۷۴ء — ۱۰۰۰

مطبوعہ : — جمال پریس دہلی
کتبہ :- — ساجد وجیہہ رامپوری

قیمت :- ساڑھے پانچ روپے Rs. 5/50

إِنَّمَآ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں"

(التغابن - ۱۵)

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوٓا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"

(التحریم - ۶)

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

اَلْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ

رَاعٍ فِيْٓ أَهْلِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ

رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا

وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَمَسْئُولٌ عَنْ

رَعِيَّتِهٖ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

(متفق علیہ)

"تم سب اپنی اپنی جگہ پر ذمہ دار ہو، خلیفہ ذمہ دار ہے اس سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اُن کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے، اس کے بارے میں اُس سے پوچھا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اس کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا۔ تم سب ذمہ دار ہو، اپنی رعیت کے متعلق پوچھے جاؤ گے۔"

اُن کے نام

جن کو آئندہ نسل کی صالح تعمیر کرنی ہے!

تبصرہ!

مولانا عبدالماجد دریا آبادی

کتاب ابنِ فرید صاحب نے بچّوں کی تربیت پر لکھی ہے اور اس میں مخاطب تمام تر ماؤں کو رکھا ہے۔ کتاب واقعی ماؤں کے لیے بڑے کام کی ہے شروع میں ایک لمبی فہرستِ عنوانات درج ہے۔ مثلاً ایک عنوان ہے "بچّے کے ابتدائی سال"۔ اس میں جسمانی صحت اور ذہنی صحت وغیرہ کا مفصل تذکرہ ہے، یا ایک اور عنوان ہے "بچّے کی تربیت کے لیے بنیادی باتیں" اس کے اندر بچّے کی جذباتی نشو ونما، بول چال کی نشو ونما وغیرہ ساری چیزیں آگئی ہیں۔ کتاب کی زبان بھی عام فہم اور سلیس ہے، کتاب دیدہ وری اور جامعیت سے لکھی گئی ہے اور سب بچوں والے گھروں میں رکھنے کے قابل ہے مسلمان والدین کو اس سے بچوں کی تربیت میں بہت اچھی مدد ملے گی۔ بچوں کے لیے ذہنی وجسمانی نشو ونما کے ساتھ بڑا اہتمام ان کی دینی واخلاقی تربیت کا بھی رکھا گیا ہے۔

"صدق جدید" — ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۶ء

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اس کتاب کی مخاطب خواتین ہیں، کیونکہ اُن ہی کے کندھوں پر بچّہ کی تربیت کا بارِ گراں ہے۔ انہی کو آنے والی نسلوں کے، ذہن، سیرت، اخلاق و معاشرت کی تعمیر اس طرح کرنی ہے کہ مستقبل کی دنیا روشن اور پرامن ہو۔ لیکن یہ امر کس قدر عبرت انگیز ہے کہ ہماری اکثر خواتین اپنی ذمہ داری سے قطعاً ناآشنا ہیں، کیوں کہ اُن کے سامنے ان کے مقصدِ وجود کو واضح طور پر پیش نہیں کیا گیا ہے۔ وہ یہ تو جانتی ہیں کہ وہ کسی کی ازواج میں ہیں اور اس کے گھر کی دیکھ بھال ان پر فرض ہے لیکن وہ اس کا تصور ہی نہیں رکھتی ہیں کہ کہ ان کی یہ خاندانی مصروفیات معاشرہ پر کسی طرح اثر انداز بھی ہو سکتی ہیں اور ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ان اعمال سے جو اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں ناواقف ہونے کی وجہ سے غافل رہتی ہیں۔

بچّے کی تربیت انہی اعمال میں سے ایک عمل اور اہم ترین عمل ہے جس کی طرف وہ کماحقہ توجہ نہیں دے پاتی ہیں، کیونکہ وہ اس کے اثرات سے

ناواقف ہیں۔

اس کتاب میں بچہ کی تربیت کے نفسیاتی پہلو کو پیش کیا گیا ہے، یہ موضوع نیا نہیں ہے انگریزی اور اردو میں اس انداز کی متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور جو کچھ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے دوسری کتابوں میں اس سے بہت کچھ بڑھ کر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ان کتابوں کے مخاطب مرد ہیں عورتیں نہیں۔ ان میں بات کو اصطلاحات کی پابندی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اور جہاں کہیں اطلاقی یا عملی نفسیات سے بحث کی گئی ہے وہاں بھی اصطلاحات کی پوری پوری پابندی کی گئی ہے، چنانچہ ہماری ہندوستانی خواتین اور خاص طور سے ایسی خواتین جن کی تعلیم کا معیار تیسری چوتھی جماعت کے معیار سے بلند نہ ہو، ان کے لیے مذکورہ کتابوں سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے، اس لیے اس کتاب میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ زبان کافی حد تک سلیس اور انداز بیان عام فہم رکھا جائے اصطلاحات کا ممکنہ حد تک استعمال نہ کیا جائے، اور جو اصطلاحات حُسنِ اتفاق سے استعمال ہو جائیں وہ ایسی ہوں کہ اُن کے بارے میں کم تعلیم یافتہ خواتین کے ذہن میں مطلوبہ تصوّر پہلے سے ہو۔

اس التزام ہی کی بنا پر یہ بھی کرنا پڑا ہے کہ کتاب کی ترتیب فنی اعتبار سے نہ کی جائے اور عنوانات بھی مروّجہ نفسیاتی کتابوں کے تتبع میں نہ قائم کیے جائیں بلکہ جو معاملات بچے کی تربیت کے سلسلے میں خواتین کے لیے اہم ہوں وہی اس کتاب کے عنوانات قرار پائیں۔ عنوانات کے اس طرح مقرر کرنے سے سب سے بڑی مشکل جو درپیش ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ہی بحث کو کئی جگہ چھیڑنا پڑا

ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ مخصوص عنوان تشنہ رہ جاتا، لیکن اس تکرار کو گوارا کر لیا گیا ہے، اور جہاں کہیں بھی ایک نکتہ کو دوبارہ بیان کرنا پڑا ہے وہاں مثالوں اور انداز بیان کے ذریعہ تنوّع پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ایسی ایسی تکرار، جس میں تنوّع ہو، اس لیے بھی ضروری ہے کہ جس معیار کی خواتین کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے ان کے ذہنوں میں ایک بات مستحضر ہو جائے اور وہ اس کی اہمیت سے واقف ہو جائیں۔ یہ طریقہ بیان انوکھا نہیں ہے، اطلاقی اور عملی نفسیات کی اکثر غیر ملکی کتابوں میں یہ خوبی مشترک ہے۔

انگریزی کی تمام اصولی، اطلاقی اور عملی نفسیات کی کتابوں کے پس منظر میں مادّہ پرستانہ نقطۂ نظر اور ڈارون کا نظریہ ارتقا کارفرما ہے، چنانچہ انسان کی نفسیات پر بحث عالمِ حیوانی اور جذباتِ وحشیانہ کو تقدیم دے کر کی گئی ہے۔ ہمارے اردو ماہرینِ نفسیات نے بھی اس کا من و عن اتباع کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے انسان کو انسانی پیمانہ سے ناپنے کے بجائے وحشی اور بربری پیمانہ سے ناپا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے بارے میں تقریباً ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ دنیا کے کسی بھی نظریہ سے بڑھ کر قیاسی ہیں دوسرے ان نظریات سے انسان کی زندگی میں جو تعیش اور بہیمانہ صفات پیدا ہوتی ہیں وہ دنیا کی تباہی اور بربادی ہی کا پیش خیمہ ہیں۔ عملی اور اطلاقی نفسیات کی ترجمانی فرائڈ کے نظریاتِ تحلیل نفسی کے ذریعہ بھی کی گئی ہے۔ فرائڈ زندگی کے تمام محرکات کو جنس اور موت کی پیداوار بتاتا ہے، اس طرح وہ بچے کے معصوم سے معصوم فعل کو جنسی گردانتا ہے۔

زندگی کے تمام افعال واعمال کو اگر جنسی عینک سے دیکھا جائے تو اس سے جو سفلی مزاج پیدا ہوگا، وہ صرف ہماری آپ کی نگاہ سے ہی پوشیدہ نہیں ہے بلکہ اس کے ہم وطن، ہم معاشرہ ہمخیال مفکرین کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے، خود اُس کے شاگرد رشید ینگ نے اس کی مخالفت کی ہے۔

اس کتاب میں ان تمام نقطہ ہائے نظر سے اجتناب کر کے اس حقیقت کو اساس بنایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ایک آدم کی اولاد سے پیدا کیا ہے، اس نے روز ازل سے ہی انسان کو خلیفۃ الارض بنایا ہے، اور وہ اشرف المخلوقات ہے۔ چنانچہ تربیت کے تمام مراحل میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ بچے کے صحیح مقام سے نہ صرف والدین ہی صرفِ نظر نہ کر سکیں بلکہ بچے کو بھی اس کا پورا پورا احساس رہے۔

بچے کی تربیت کے معاملہ میں عملی نفسیات کی کسی بھی کتاب کا مطمحِ نظر اب تک یہ نہیں رہا ہے، اور اس لحاظ سے یہ پہلی کوشش ہے جو خواتین کے ہاتھ میں اور ایسی خواتین کے ہاتھ میں جا رہی ہے جو اب تک شاذ ہی کسی نفسیات کی کتاب سے استفادہ کر سکی ہوں۔

اس کتاب کا مقصدِ تحریر بچے کی تربیت دینِ فطرت — اسلام — کے مطابق کرنے کے لیے مشورے دینے کی ہے۔ اسی وجہ سے اس میں اسلام کے بارے میں اصولی معلومات نہیں دی گئی ہیں، بلکہ یہ پہلے سے ہی تصور کر لیا گیا ہے کہ قاری نے اسلام کا مطالعہ اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے کر لیا ہوگا اور اس کے ذہن نے اسلام کو دینِ حق سمجھ کر قبول کر لیا ہوگا۔

اس کتاب کی تیاری میں میں نے اکثر نفسیات کی انگریزی کتب و رسائل اور اُردو کتب و رسائل سے استفادہ کیا ہے۔ ان تمام کے مصنفین میرے شکریہ اور تہنیت کے مستحق ہیں۔ میں جناب عبدالحی صاحب مدیر الحسنات اور مکتبہ الحسنات کا بھی بے انتہا مشکور ہوں۔ جناب عبدالحی صاحب نے اس کتاب کی ترتیب اور اس کے اکثر مباحث میں میری اچھی خاصی رہنمائی کی ہے۔ اور اس کتاب کو قسط وار الحسنات میں ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ تک شایع کرایا ہے، اپنی گرفتاری کی وجہ سے وہ مسودے کے بنانے سنوارنے میں میری رہنمائی نہ کرسکے، ورنہ انھوں نے پورے مسودے کو کافی توجہ سے پڑھا تھا، اور اکثر مقامات پر مفید مشورے دینے کا وعدہ کرچکے تھے، خدا کرے مجھے اس کا موقع پھر میسّر آئے۔

الحسنات میں جب یہ سلسلہ شائع ہونا شروع ہوا تو ہندوستان اور پاکستان کے متعدد روزناموں، ہفتہ وار اور پندرہ روزہ اخباروں اور ماہناموں نے اسے وہاں سے نقل کرکے شایع کیا۔ میں ان تمام جرائد کا بھی مشکور ہوں کہ انھوں نے میری اس طرح بھی ہمت افزائی کی ہے۔

اور آخر میں میں اُن حضرات کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں گا جو اس کتاب کی فروگذاشتوں سے مجھے مطلع کریں گے تاکہ میں آئندہ ان کی اصلاح کرسکوں۔

ابن فرید

رام پور — یو۔پی
یکم مئی ۱۹۵۵ء

نظرِ ثانی

نقش گری تو جیسی ہونی چاہیے وہ پہلی کوشش میں ہو چکی، دوبارہ اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ جو کچھ داغ دھبے باقی رہ گئے ہوں انھیں دور کرنے کی طرف توجہ دی جائے، جو پہلو خام رہ گئے ہوں انہیں سنوارا سدھارا جائے۔ مگر ایسا کرتے ہوئے بھی بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنی تحریر ناقص یا خام نظر آئے بھی تو کہاں سے نظر آئے؟ اس پر نشتر زنی کی جائے تو اپنے جذبۂ رحم کو کیسے سمجھایا جائے؟ یہ وہ دِقتیں ہیں جن کی وجہ سے ایک مصنّف کو اپنی تحریر میں داغ دھبّے نظر نہیں آتے۔ اسی بنا پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے میں نے مسوّدے کو اپنی نظر سے نہیں آپ کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ عبارت میں اصلاح اور جزوی ردّوبدل کے علاوہ ایک باب کا عنوان بدل دیا ہے، اور اس کے تحت ایک ذیلی باب "معاشرتی نشوونما" کا اضافہ کر دیا ہے۔ ہر باب کے آخر میں تمام مباحث کا خلاصہ "چند لفظوں میں" بیان کر دیا ہے تا کہ وقتاً فوقتاً ان خلاصوں کو پڑھ کر موضوعات کو ذہن میں تازہ کیا

جاسکے۔ کتاب کی افادیت میں ان سے کس قدر اضافہ ہوا ہے، اس کا اندازہ میں کیسے کروں؟ آپ ہی سمجھیے۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی (مدیر صدقِ جدید) اور محمد رضا انصاری صاحب (مبصر قومی آواز) کا میں بالخصوص ممنونِ احسان ہوں کہ ان دو حضرات کی ہمت افزائی نے مجھے اپنی خام کوشش کی طرف سے قدرے اطمینان دلایا۔ مسودات کی ترتیب اور بعض ضمنی مشوروں کے لیے اگر میں اُمِّ صہیب کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ اُن کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۲ر ستمبر ۱۹۵۸ء

ابن فرید

نظرِ ثالث

پورے پندرہ سال کے بعد ایک بار پھر اپنی سب سے پہلی تصنیف کو سنوارنے سدھارنے کی خوش نصیبی حاصل ہوئی ہے۔ اتنے عرصہ میں (جبکہ پہلی مرتبہ یہ کتاب شایع ہوئی) وہ بچے، جن کے والدین نے اس کتاب کو اُن کی تربیت کے سلسلہ میں اہمیت دی، عنفوان شباب کی منزل میں داخل ہو چکے ہیں۔

جس طرح یہ اولادیں اب بھی توجہ کی مستحق ہیں، اُسی طرح میں بھی اپنی اس اولادِ معنوی کو توجہ کی سزاوار سمجھتا ہوں۔ اسی لیے میں نے بیشتر مقامات پر عبارت کے سقم کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ تصحیح کے دوران دو مزید ذیلی عنوانات، "بچہ کا ضمیر" اور "ابتدائی تعلیم" کی شدید ضرورت محسوس کی۔ اس ایڈیشن میں اِن دو ذیلی ابواب کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ ان ذیلی ابواب سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوگا۔

میں خداوندِ علیم و حکیم کے سامنے سرِ نیاز خم کرتا ہوں کہ اُس کے کرم کی وجہ سے اس کتاب کی مقبولیت میں انیس سال بعد بھی کوئی کمی نہیں آئی ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۱۴ اگست ۱۹۷۳ء

ابن فرید

تذکرہ

دیکھئے کتنا پیارا بچہ ہے یہ! ——— ذرا اس کی آنکھوں میں تو جھانک کر دیکھئے۔ کتنی معصومیت کے ساتھ چمک رہی ہیں۔ ان میں کتنی مسرت بھری ہوئی ہے۔ یہ پیاری نیلگوں آنکھیں کتنی اچھی لگتی ہیں۔ اب ذرا اسے گدگدائیے! ——— آہا، اب تو یہ اور بھی پیارا معلوم ہونے لگا۔ کیسی دل موہ لینے والی ہنسی ہے اس کی۔ اس کے ہونٹ کیسے گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح دمک رہے ہیں، ——— ذرا اپنے دل سے تو پوچھئے۔ اس پر کیا بیت رہی ہے؛ کیا آپ نہیں چاہتی ہیں کہ بچے کو سینے سے لگالیں، اور محبت میں پوری طرح ڈوب کر اس کو سینے سے چمٹالیں؟ آخر یہ آپ ہی کا تو بچہ ہے!
آپ کیوں نہ چاہیں گی؟ ——— ضرور چاہیں گی، بلکہ بے اختیار ہو کر اسے چوم چوم لیں گی، کلیجے سے لگالیں گی، اور ہزاروں تمناؤں دعاؤں اور امیدوں سے آپ کی روح تازہ ہو جائے گی۔

لیکن غور تو کیجیے، میں نے کہیں یہ تو نہیں کہا ہے کہ آپ کا بچہ بدصورت ہے؟ اس کے رنگ کو بھی کالا نہیں بتایا ہے۔ اس کے کمزور ہونے کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے اس کی کسی بھی خامی کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے آپ کے بچہ میں کوئی خامی نہ ہو، وہ جسمانی طور پر بالکل درست ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے اس میں کوئی خامی ہو، اس کو کوئی بیماری ہو، یا ایسی ہی کوئی اور بات ہو مگر اس سے آپ کی محبت میں تو کوئی کمی نہیں آتی ہے۔ آپ اس کو ہر صورت میں چاہیں گی، آخر وہ آپ ہی کا بچہ تو ہے وہ خواہ کیسا ہی ہو آپ ہی کا جگر گوشہ تو ہے۔ پھر آپ اس کو کیسے نہ چاہیں گی۔

اور حقیقتاً آپ اسے ضرور چاہیئے کیونکہ یہ آپ کا حق ہے۔ آپ کے لئے اللہ کی طرف سے نعمت ہے، ایک عطیہ ہے، جس کو آپ نے کتنی ہی مصیبتوں اور پریشانیوں کو جھیل کر حاصل کیا ہے۔ اسی لئے آپ کی محبت جائز ہے۔ کیونکہ ہم کو، آپ کو، ہر شخص کو وہ چیز زیادہ عزیز ہوتی ہے جس کے حاصل کرنے میں ہم کو کچھ نہ کچھ دقت پیش آئے۔ بالکل اس طرح جیسے ریت اور مٹی کو حاصل کرنے میں ہم کو زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑتی، اور سونا چاندی، یا ہیرے جواہرات ہمیں یونہی نہیں مل جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ریت اور مٹی کے مقابلے میں ان کمیاب چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن کیا آپ اس کے لئے تیار ہوں گی کہ ان بیش بہا چیزوں کو کسی اندھے کنویں میں پھینک دیں؟ جی ہاں حقیقتاً یہ پوچھنا تو حماقت ہے!۔

اور اسی وجہ سے مجھے یہ یقین ہے کہ آپ اپنے اس پیارے بچہ کو بھی آگ میں

جھونکنا کیا، اس کو اس کی آنچ بھی نہ لگنے دیں گی جی، اس وقت تو واقعی میں عجب اُلٹی اُلٹی سی ہی باتیں کر رہا ہوں! ـــ خیر جانے دیجئے، میں آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ کچھ غور کرنے کی بات ہے، اس لئے مجھے کچھ ایسی مثالوں کو سامنے لانا پڑا جن کو آپ کم عقلی کی بات کہنے کے لئے مجبور ہو گئیں۔

بات یہ ہے کہ یہ بچہ جو آپ کی گود میں ہمک رہا ہے، اسے آپ جانتی ہیں کہ یہ آپ کا چراغ ہے، اور آپ کے بعد دُنیا میں یہ آپ کا نام لیوا رہے گا۔ اسی سے آپ کی نسل چلے گی۔ یہی زمانہ کے لئے یادگار ہوگا۔ گویا یہ آپ کی پونجی ہے۔ آپ کی دولت ہے ـــ آپ کو اس کو مصرف میں لانا ہے، اور یہ مصرف کیا ہے؟

شاید اس سے بڑھ کر نہیں کہ آپ کو سکھ اور آرام پہنچائے اور جس طرح آپ کا مطیع ہے اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا فرمان بردار بندہ ہو۔ اچھائیوں کو پھیلائے، برائیوں کو نیست و نابود کرے اپنے عزیزوں، پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں کے لئے باعث رحمت ہو۔ غرض، آپ کبھی یہ نہ چاہیں گی کہ یہ زمین کی پیٹھ پر بھوڑاپن کر رہے، اور آنے والی نسلیں آپ کو بُرے ناموں سے یاد رکھیں اور یہ بھی آپ پسند نہ کریں گی کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُسے گنہ گاروں کے گروہ میں رکھے، اور پھر اس کی غلط پرورش کی ذمہ داری کی بنا پر آپ کو بھی اُسی عذاب میں شریک ٹھہرائے۔

اصل میں، اگر ہم آپ یہ نہیں سوچ لیتے کہ ہماری آپ کی زندگی کا مصرف کیا ہے، تو ہمارے لئے یہ بڑا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہم اپنی زندگی اس گتھی کو

سلجھائے بغیر گزار لے جائیں کہ ہمیں کس طرح زندہ رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے ہی تو پیدا کیا ہے کہ انسان زمین پر اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے اس کی بندگی کرے، اور اس راہ میں اپنی کسی بھی چیز کو عزیز نہ سمجھے۔ حتیٰ کہ جان تک سے بھی اتنی محبت نہ رکھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوچ لے کہ زندگی کا کیا ہے ؟ چاہے جیسے کٹ جائے اچھی یا بری، تو بھلا بتایئے کہ وہ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو کیوں کر افضل سمجھے گا ؟ وہ تو بس ہر کام اسی بے توجہی سے کر گزرے گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ ایسے کام بھی کرنے میں نہ جھجکے جو محض وقتی تسلی کے سوا اسے اور کچھ بھی نہ دے سکیں، بلکہ شاید اس کے حق میں سیکڑوں برائیوں کا اضافہ کر جائیں اب یہی دیکھئے جو لوگ چوری کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔ دوسروں کو بلا قصور قتل کر ڈالتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں، شراب پیتے ہیں، سینما دیکھتے ہیں، اور ایسے ہی نہ معلوم کتنے فحش اور ذلیل کام کرتے ہیں، وہ ایسے ہی لوگ تو ہوتے ہیں جو اپنی ذمہ داری نہیں محسوس کرتے، اور نتیجہ میں نہ معلوم کتنی ہی برائیاں اس دنیا کے اندر پھیلا دیتے ہیں ان کا حشر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا ہوگا ؟ ذرا آپ ہی اپنے ذہن پر زور ڈال کر فیصلہ کیجئے —— کہیے ان کو عذاب ہی تو ملے گا نا ؟ اور یہ کتنا سخت ہوگا۔

اگر ہم یہی سوچ لیں تو شاید ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جائے کہ ہمیں زندگی کیونکر گزارنی چاہیئے اور جو کچھ ہم اپنے لئے پسند کریں گے وہی اپنی اولاد کے لئے بھی پسند کریں گے۔ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ خراب زندگی گزارنے

میں ہمارا نقصان ہے تو ہم اپنے بچہ کو بھی ایسی زندگی گزارنے نہ دیں گے۔
مگر مجھے آپ سے شکایت کرنی ہے ـــ کیا ؟ ـــ وہ بھی سُن لیجئے۔

بہت سی مائیں تو اپنے بچوں کے لئے وہی پسند کرتی ہیں۔ جو اپنے لئے پسند نہیں کرتی ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے بہت سی لوگ اپنا سڑا ایسا کھانا فقیروں کو دے کر ثواب کمانا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ مائیں اپنے بچوں کی زندگی کی طرف سے بے پروا ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ زندگی اتنی ہی خراب ہو جاتی ہے جتنا کہ سڑا ایسا کھانا۔ اور یہ بچے بڑے ہو کر زمین کی پیٹھ پر پھوڑا بن کر رہتے ہیں اور پھر بعد میں وہ کہتی ہیں " میں کیا کروں یہ تو میری قسمت کا پھیر ہے "۔ قسمت سے کون انکار کرتا ہے ؟ لیکن ذرا یہ تو سوچئے کہ قسمت کو بگاڑنے کی ابتدا کس کی طرف سے ہوئی ہے ؟
دیکھئے، ایک مثال سے میں یہی بات سمجھانے کی کوشش کروں گا:۔
آپ جب سِل پر مختلف قسم کے مسالے پیستی ہیں تو کچھ مسالہ ادھر ادھر بھی بکھر جاتا ہے، اور چونکہ سل کے پاس نمی رہتی ہے اس لئے اکثر چیزیں اُگ بھی آتی ہیں، جیسے دھنیا وغیرہ۔ اب فرض کیجئے کہ آپ کی سل کے پاس ایک دھنیے کا پودا اُگ آیا، آپ اس کو اُگنے دیں، دو تین دنوں میں وہ کچھ بڑا ہو جائے گا۔ اب آپ اس پودے پر ہلکا سا وزن رکھ دیں اور کچھ دن رکھا رہنے دیں، پھر وزن ہٹا دیں، دیکھئے پودھا ٹیڑھا ہو گیا، آپ اس کو سیدھا کرنا چاہیں گی تو ٹوٹ جائے گا۔ بتلائیے یہ پودا کیوں ٹیڑھا ہو گیا ؟

بالکل اسی طرح یہ مائیں اپنے بچّوں کی زندگیوں میں ٹیڑھ پیدا کر دیتی ہیں اور پھر قسمت کو کوستی ہیں۔ بچہ اس دنیا میں بڑا صاف اور سادہ ذہن لیکر آتا ہے۔ اس کے لئے یہاں کی ہر چیز عجیب ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کو غور سے دیکھتا ہے، سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، ہر چیز کو چکھ کر آزماتا ہے، کسی چیز کو پکڑ کر آزماتا ہے۔ کسی چیز کو پٹخ کر اور توڑ کر آزماتا ہے آخر یہ سب کیا ہے؟ یہ کیوں اس کے چاروں طرف عجب عجب چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے؟ یوں وہ بہت سی چیزوں کو جان جاتا ہے، آپ کو بھی پہچان جاتا ہے۔ اور پھر وہ آپ کو طرح طرح کی چیزوں کو مختلف طریقوں سے برتتے ہوئے دیکھتا ہے اور خود بھی آپ کی نقل کرنے لگتا ہے۔ وہ بہت سی چیزیں آپ کے ہی ذریعہ سیکھتا ہے، مثلاً بات کرنا، چیزوں کو ادھر ادھر رکھنا، چلنا پھرنا وغیرہ وغیرہ۔ اب دیکھئے، جیسے آپ کے طور طریقے ہوں گے ویسے ہی آپ کا بچہ بھی ان کی نقل کرے گا اور ان کو اپنائے گا اگر آپ کی تیوریاں ہر وقت چڑھی رہیں گی تو بچے کے ماتھے پر بھی شکنیں پڑ جائینگی اگر آپ بلا وجہ لوگوں میں عیب نکالتی رہیں گی تو وہ بھی بد خلق ہو جائے گا۔ اگر آپ خود اُسے جھڑک دیا کریں گی تو وہ بھی جس پر بس چلے گا اُسے جھڑک دیا کرے گا۔ اگر آپ اس کی بات نہ سُنیں گی تو وہ بھی ایسا ہی رویّہ اختیار کرے گا۔ برخلاف اس کے اگر آپ فراخ دل اور شگفتہ مزاج رہیں گی تو وہ بھی ویسا ہی بنے گا۔ اگر آپ عالی ہمت ہیں تو وہ بھی اسی طریقہ کو اپنالے گا غرض کہ وہ بہت کچھ ویسا ہی ہوگا جیسی آپ ہوں گی۔

یہ مقولہ اسی وجہ سے بالکل درست ہے کہ ماں کی گود پہلا مدرسہ ہے!

اس مدرسہ میں اس کو جیسی تعلیم ملے گی وہ ویسا ہی بن کر نکلے گا۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو گھر کی مالکہ قرار دیا ہے۔ اگر آپ چاہیں گی کہ آپ کی گود سے صالح ہستی اُبھرے تو اللہ تعالیٰ آپ کی آرزو کو پسند فرمائے گا، اور بہت ممکن ہے آپ کو کامیاب بھی کردے۔ لیکن اگر آپ اس ہستی کی طرف سے بے پرواہ ہو جائیں گی؛ یعنی اپنی دولت، اپنی پونجی کو کسی بھی مصرف میں لانا نہ چاہیں گی تو اللہ تعالیٰ آپ سے حساب لے گا آپ اس وقت کیا جواب دیں گی؟ اور پھر دنیا میں آپ کو کیا آرام مل جائے گا؟ــــ یہاں بھی تو اسی عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

اور پھر اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پرواہ ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ بھی کیا ایسا نہ کرے گا؟ بس بــــ بس اسی وجہ سے آیئے ہم اس پر غور کریں کہ یہ بچہ جسے آپ اتنی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی ہیں اسے کیونکر صالح فرد بن کر رہنا سکھایا جائے؟ اور اسے کیونکر قدم قدم پہنچایا جائے کہ اس میں ٹیڑھ نہ آئے یہ اپنے اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہو، آپ کے لئے سہارا ہو، دنیا والوں کے لئے باعث عزت ہو، عالی ہمت ہو، بزدل نہ ہو، لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے جگہ ہو، اور ایسی ہی دوسری نیکیاں اس میں رچ بس جائیں۔

آیئے غور کریں اور اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اس مہم میں کامیاب کرے۔

چند لفظوں میں

○ بچہ پیدائشی طور پر سیرت و کردار کی خرابیاں لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ قسمت کی خرابی ہے۔

○ آگے چل کر وہ کیا بنے گا؟ ——— یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ آپ سے کیا سیکھتا ہے۔

گھر اور گھرانا

کیا آپ نے یہ کبھی نہیں سنا کہ اس لڑکے نے گھر والوں کی ناک کٹوادی؟
اور کیا آپ نے یہ بھی نہیں سنا کہ اس لڑکے نے گھرانے کا نام روشن کردیا؟
یہ تو آئے دن کے تذکرے ہیں۔ جب کبھی آپ پاس پڑوس کی عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر دنیا جہان کی باتوں میں لگ جاتی ہوں گی تو کبھی نہ کبھی ایسا فقرہ ضرور آپ کے سننے میں آتا ہوگا۔ لیکن اس وقت باتوں میں کھوئی ہوئی عورتیں اپنی ہی بات پر غور نہیں کرتی ہیں۔ ——— آخر ایسا بھی کیا ہے کہ محض ایک لڑکے کی وجہ سے خاندان بدنام ہو جائے یا عزت کا مرتبہ حاصل کرلے ۔؟

ذرا غور تو کیجئے ——— کیا ایک لڑکے کی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے؟
بات تو بڑی عجیب سی ہے۔ لیکن ہوتا ایسا ہی ہے ۔

بچہ سب سے پہلے دنیا کے جس حصہ سے واقف ہوتا ہے وہ اس کا اپنا خاندان ہے، اپنا گھر ہے۔ یہ تو ہر حالت میں ہی ہوگا کہ وہ کسی ایک جگہ پیدا ہوگا ۔ اس جگہ کچھ رہنے بسنے والے ہوں گے۔ یہ رہنے بسنے والے

اس کے خاندان کے لوگ ہوں گے جو بار بار اس کی نگاہوں کے سامنے آتے رہیں گے۔ وہ تقریباً ہر وقت اس کو اپنی اپنی گودوں میں اٹھائیں گے، اسے کھلائیں گے، اس سے اشارے کریں گے، اس کو دیکھ کر خوش ہوں گے، اور اسی طرح اور تمام موقعوں پر اس کے سامنے رہیں گے، وہ ان کی حرکتوں کو دنیا میں پہلی مرتبہ دیکھے گا۔ روز دیکھے گا، دن میں کئی کئی بار دیکھے گا۔ یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگے گا کہ اسے بھی ایسی ہی حرکتیں کرنی چاہئیں، اور وہ ان کو سیکھنے لگے گا۔

میں نے ایک چھوٹی بچی کو دیکھا جو سال بھر کی عمر کے زمانے میں اپنے ہونٹوں پر اس طرح انگلی رکھتی تھی جیسے کہہ رہی ہو "چپ"۔ اس کے والدین بھی اس کے اس اشارے سے یہی سمجھتے، اور جب وہ کھیل رہی ہوتی تو وہ اس کے سامنے اسی طرح ہونٹوں پر انگلی رکھتے۔ کبھی کبھار وہ بھی اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لیتی، اور وہ لوگ بہت خوش ہوتے۔ رفتہ رفتہ وہ دو سال کی عمر تک ہر کس و ناکس کو اسی طرح اشارہ کرتی اور جب کوئی اس کو متوجہ کرتا تو وہ "چپ" رہنے کا اشارہ کرتی۔

اسی طرح آپ نے چھوٹے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ جب وہ بولنا شروع کر رہے ہوتے ہیں اور ان کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلنے لگتے ہیں۔ تو اکثر والدین ان کی توتلی زبان سے گالیاں سن کر بڑا لطف اٹھاتے ہیں۔ یہ ناعاقبت اندیش والدین اپنے ہاتھوں ہی اپنے بچوں کو خراب کرتے ہیں، ان کو کون سمجھائے کہ اس زمانہ میں تم ان کو جو کچھ سکھاؤ گے وہی

ان کی عادت بن جائے گی۔

بہر حال آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ گھر ہی وہ جگہ ہے جہاں سے بچہ اپنی زندگی کے لئے پہلی اور روزمرہ کی باتیں سیکھتا ہے، وہیں سے وہ رہن سہن، بات چیت طور طریقہ وغیرہ سیکھتا ہے۔ آپکے گھر میں کیا ہوتا ہے؟ آپ کا بچہ اس کو کڑی نگاہ سے جانچتا ہے اور یہ سمجھ کر جانچتا ہے کہ اس کے گھر میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے صحیح ہو رہا ہے کیونکہ آپ بھی تو جب کسی غلط بات پر اڑ جاتی ہیں تو یہی سمجھ کر تو جمتی ہیں کہ آپ حق پر ہیں۔ تو پھر وہ بے چارہ ننھی سی جان، آپ کی اتنی بڑی بڑی باتوں کو کیسے جانچ سکیگا کہ آپ اتنا تو ٹھیک کر رہی ہیں اور اتنا غلط۔ وہ تو کچھ بھی نہ سمجھے گا۔ سوائے اس کے کہ اس کے یہاں جو کچھ جسطرح ہو رہا ہے اسے ویسے ہی ہونا چاہئے اور وہ ویسا ہی ہو جائے گا۔

اسلیے آپ سب سے پہلے بچہ کے گھر اور گھرانے پر غور کیجئے اور دیکھئے کہ وہ اس کیلئے کتنا موزوں ہے۔ آپ اچھی طرح پرکھ کر اور چھان پھٹک کر ان باتوں کو ہونے سے روکیے جو بچے کے معصوم ذہن پر غلط اثر کریں۔ آپ اسکو پورا موقع دیں کہ وہ جس جگہ پہلی مرتبہ آنکھ کھول رہا ہے، وہاں سے اچھائیاں ہی اچھائیاں اپنی آیندہ زندگی کیلئے جمع کرے۔

ماں اور بچہ

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو گویا وہ ایک دنیا سے رخصت ہو کر دوسری دنیا میں آتا ہے۔ اُسے وہاں اتنی روشنی میسر نہیں ہوتی، ایسی ہوا کا سامنا کرنا نہیں ہوتا، ایسے سخت سخت ہاتھوں کے چھونے سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ اس کے لیے یہ بہت ہی بڑی تبدیلی ہوتی ہے ــــ جس کا سامنا کرنا بچے

کے لیے بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت دیکھئے کہ وہ اس وقت بھی اس کی مدد کرتا ہے، اسے اس نئے ماحول میں حالات کا مقابلہ کرنے کی سکت عطا فرماتا ہے، اور بچہ رفتہ رفتہ اپنے ارد گرد کی چیزوں سے روشنی سے، ہوا سے، اور اٹھائے بٹھائے جانے سے ــــــ مانوس ہونے لگتا ہے۔ اور جلد ہی ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ اسی ماحول کا ایک فرد ہے۔

ماں ہی وہ ہستی ہے جس سے بچہ ہر وقت قریب رہتا ہے۔ وہ کم از کم ایک سال تک اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا ہے ــــــ نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ بول سکتا ہے اور نہ اپنی ضرورت اور تکلیف کا خود ٹھیک ٹھیک اظہار کر سکتا ہے۔ بلکہ یہ ماں ہی ہے جو اس کی ہر بات کو سمجھتی ہے اور اسے پورا کرتی ہے۔ وہ روتا ہے تو اسے دودھ پلاتی ہے، وہ ہاتھ پیر پھینکتا ہے تو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ اس کے اشاروں میں دلچسپی لیتی ہے اور اس کے ساتھ کھیلتی ہے۔ اس کے سامنے طرح طرح لفظ دہراتی ہے، اور وہ بھی اسی طرح اپنے ہونٹ ہلانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہی وہ آغوش ہوتی ہے جس میں وہ سکون پاتا ہے، یہی وہ آرام دہ مقام ہے جس میں وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے۔ آپ اپنے بچہ کو گود میں لیکر سلایئے، دیکھئے وہ کتنی جلد سو جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ اسے بستر پر سلانے کی کوشش کیجئے تو اسے سونے میں کافی دیر لگ جائے گی، وہ کھسک کھسک کر آپ کے پاس آجائے گا اور آپ سے لپٹ کر سونے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جب اسے کامیابی نہ ہوگی تو بڑی الجھن محسوس کرے گا اور اسی الجھن کی

وجہ سے کچھ دیر تک جاگتا رہے گا۔

آپ اپنے بچہ کے پاس لیٹی رہیے یا اس کے پلنے کے پاس بیٹھی رہیے وہ خوش رہے گا۔ لیکن جیسے ہی آپ اُٹھنے لگیں گی وہ رونا شروع کر دے گا۔ آپ اس کو کوئی کھلونا دے جایئے، وہ اس سے کھیلتا رہے گا۔ لیکن جب کھیلتے کھیلتے اس کی طبیعت بھر جائے گی تو وہ پھر آپ کو تلاش کرنے لگے گا، وہ روئے گا۔

وہ تو آپ ہی کو اپنا محافظ سمجھتا ہے۔ اس نے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی جس چہرے کو ہر وقت اپنی آنکھوں سے قریب پایا ہے وہ آپ ہی کا ہے۔ اب اگر وہ ہی چہرہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے تو وہ کیسے اطمینان کرلے کہ وہ محفوظ ہے وہ چاہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جسے اس پر نگراں بنا دیا ہے، وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں مستعد رہے۔

مگر آپ کو تو اور بھی دوسرے کام لگے رہتے ہیں، اگر آپ انھیں نہ کریں تو آخر یہ گھر کا دھندا کیسے چلے؟ آپ نے سالن کی پتیلی چولھے پر چڑھادی، پیاز سُرخ ہونے لگی اور بچے نے رونا شروع کر دیا، اب بتایئے آپ کیا کریں؟ آپ کی جان تو مصیبت میں پھنس گئی۔ پتیلی چھوڑیں تو پیاز بھسم ہو جاتی ہے۔ گھی اکارت جاتا ہے، اور اگر بچے کے پاس نہیں جاتی ہیں تو وہ جان ہلکان کیے دیتا ہے ۔۔۔۔۔۔ لیکن دیکھئے نا، اس میں اس کا کیا قصور ہے؟ وہ تو بے چارہ اکیلا پڑا ہوا ہے، کمرہ سونا ہے، آس پاس سے کسی کی بول چال کی بھی آواز نہیں آرہی ہے، اس کا محافظ کہاں ہے؟ وہ اسی کو تلاش کر رہا ہے۔

اب یہ اور بات ہے کہ آپ جھنجھلاہٹ میں اُلٹا سیدھا کام کریں، اور جا کر اسے جھنجھوڑ کر اٹھائیں، دو ایک چپت رسید کریں، اور خوب جی بھر کر بڑبڑائیں، وہ آپ سے سہم جائے گا۔ اور کیا کرے گا؟ ـــــ وہ تو امید کر رہا تھا کہ وہی جانی پہچانی چہرے والی ہستی آئے گی، بڑے پیار کے ساتھ اس کو گود میں اٹھا لے گی، اس کو تھپکیاں دے گی، لوریاں سنائے گی، اور وہ پھر سو جائے گا مگر ایسا نہیں ہے، اب وہ جان گیا رونا جرم ہے۔ اگر وہ پھر رویا تو پھر ایسی ہی سزا پائے گا۔

ایک تو اکیلے پن کی وجہ سے اس کو خوف تھا ہی، آپ نے اس کو یہ بھی جتلا دیا کہ وہ مجرم بھی ہے ـــــ دیکھیے اس نے آپ سے کس طرح یہ دو باتیں سیکھیں؟ اسی طرح وہ آپ کے ہر عمل فعل سے کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہے۔ آپ کو یقین نہ آئے تو میں آپ کو اس کے ثبوت کے لئے آسان طریقہ بتاؤں۔ آپ اپنے کسی عزیز سے ـــ اپنے شوہر سے یا اپنی سہیلی سے ـــ اپنے بچپن کی باتیں کرنا شروع کیجئے، بالکل اس زمانہ کی جب آپ کی ماں آپ کو اسی طرح پرورش کر رہی تھی جس طرح آج آپ اپنے بچے کو پال رہی ہیں۔ دیکھیے کیسی کیسی باتیں آپ کو یاد آتی ہیں۔ آپ کی ماں ایسی تھی، آپ کی ماں ویسی تھی، آپ کی ماں فلاں کام یوں کرتی تھی، آپ کو یہ سکھلایا وہ سکھلایا، غرض بہت کچھ آپ کو یاد آئے گا، اب آپ اپنی زندگی پر نظر ڈال لیے، دیکھئے کتنی ہی ایسی باتیں ہیں جو آپ بالکل اسی طرح کرتی ہیں جس طرح آپ کی ماں کرتی تھیں، بلکہ اب بھی جب کوئی انوکھی بات سامنے آتی ہے تو آپ یہی کہتی ہیں "میرے یہاں تو ایسا کبھی نہ ہوا۔"

میں نے آپ کو ایک کہاوت سنائی تھی، کہ ماں کی گود پہلا مدرسہ ہے۔

جی ہاں، تو اس مدرسہ میں بچہ کیا سیکھتا ہے؟ وہی جو کچھ آپ اسے سکھاتی ہیں۔ آپ کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ جب آپ نے مدرسہ جانا شروع کیا تھا تو آپ کی اُستانی نے آپ کو ریشم کے پھول کاڑھنے سکھائے تھے۔ اس وقت آپ نے کیسے اُلٹے سیدھے، ٹیڑھے میڑھے ڈوب ڈالے تھے، مگر پھر آپ کا ہاتھ صاف ہوگیا اور آپ اچھے اچھے پھول بنانے لگیں، بالکل ان ریشم کے پھولوں کی ہی طرح آپ بچے کے سامنے جانتے بوجھتے یا انجان پن میں ایک کام کرتی ہیں، وہ اسے دیکھتا ہے، وہ بھی پہلے آپ ہی کی طرح اُلٹے سیدھے قدم اٹھاتا ہے، پھر آپ ہی کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر آپ صاف ستھری رہتی ہیں، تو وہ بھی صاف ستھرا رہیگا، اگر آپ چیزوں کو قرینے سے رکھتی ہیں تو وہ بھی سوچے گا کہ چیزوں کے رکھنے کا یہی طریقہ ہے۔ غرض آپ اپنے رہن سہن میں اس کا خیال رکھیں اور یہ سمجھ کر نہ ٹال دیں کہ یہ تو ابھی بچہ ہے، یہ کیا جانے؟ دراصل وہ تو جاننے کی مشق ہی کر رہا ہے، پھر وہ کیوں کر نہ جانے گا۔؟

آپ اس کو اچھی طرح یقین دلا دیں کہ آپ اس کی ماں ہیں، آپ کو اس سے بے انتہا محبت ہے، آپ اس کا ہر وقت خیال رکھتی ہیں، اور یہ جو کچھ آپ کر رہی ہیں اسی کے لیے تو کر رہی ہیں، تاکہ اس کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جسے اس کا نگراں بنایا ہے وہ اس کی طرف سے غافل نہیں ہے۔

آپ کا خیال بھی صحیح ہے کہ بے جا لاڈ پیار لڑکے کو خراب کر دیتا ہے مگر دیکھئیے، میں نے یہ کب کہا کہ آپ بے جا لاڈ پیار کریں؟ میں تو خود ہی کہتا ہوں کہ یہ اس کے ساتھ سب سے بڑی دشمنی ہے۔ البتہ اتنا اور سمجھتی چلیے کہ جب آپ اپنی سہیلی سے

ہمیشہ خلوص اور محبت کے ساتھ پیش آتی رہتی ہیں اور اسے نہ برا کہتی ہیں اور نہ مارتی ہیں، تو پھر آپ کے اس ننھے دوست نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ آخر اس کی آپ سے کیا دشمنی ہے اس کو تو آپ کی محبت کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی پھولوں کو سورج کی کرنوں کی۔ نہ کم نہ زیادہ۔ دھوپ تیز ہو گئی تو پھول جھلس جائیں گے، دھوپ کم ہو گئی تو کمہلا جائیں گے۔

میں کہنے کو تو بہت سی باتیں کہہ گیا ہوں، اور مجھے آگے چل کر ان باتوں کا پھر سے تذکرہ کرنا ہے، لیکن یہاں مختصر طور پر میں یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ماں بچے کے لیے بڑی اہم ہستی ہے، کتنی اہم ہستی ہے، اس کا اندازہ آپ خود کیجیے، میں تو صرف اتنا کہوں گا کہ وہ آپ کے ہی گوشت پوست کا ٹکڑا ہے۔ آپ جتنی فکر اپنے ہاتھ پیر اور دوسرے جسمانی حصوں کی کریں اتنی ہی اس کی بھی کریں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

باپ اور بچہ

ماں کو تو خیر بچہ چھو کر اور محسوس کر کے ہی پہچان لیتا ہے لیکن باپ کو وہ اسی وقت پہچانتا ہے جب اس کی نگاہ ٹھہرنے لگتی ہے، اور وہ اپنے آس پاس کی چیزیں گز ڈیڑھ گز کے فاصلہ پر آسانی سے پہچان لیتا ہے۔ اس سے پہلے ماں کے علاوہ وہ کسی کو بھی نہیں جانتا۔ آپ نے اکثر محسوس کیا ہو گا کہ آپ بچے کو کسی اور کے پاس سُلا جائیے، ممکن ہے کافی دیر تک وہ اس کے پاس سوتا رہے لیکن بالآخر وہ رونے لگے گا۔ اس کی نگاہیں آپ کو تلاش کرنے لگیں گی۔ وہ اس وقت

تک مطمئن نہ ہوگا جب تک آپ اس کے پاس نہ آجائیں گی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کے پاس سو رہا ہوتا ہے، اور پھر جب وہ اس غیر آغوش میں گھسنا چاہتا ہے تو ایک دم چونک پڑتا ہے اور رونے لگتا ہے، آخر کیوں؟ وہ آپ کو تلاش کر رہا ہے۔ لیکن اکثر باپ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بچے کی زندگی کے اس دور میں بلا وجہ اس سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ وہ اس کے باپ ہیں۔ بھئی اس میں کیا شک ہے، لیکن ابھی وہ وقت تو آنے دیجیے کہ وہ یہ جان جائے کہ باپ ایسا وجود بھی کوئی ہو سکتا ہے، زبردستی ایک چیز کو وقت سے پہلے منوانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شیر خوار بچے کو باپ محض محبت کی وجہ سے ماں سے اتنی دیر تک الگ رکھتا ہے کہ وہ بے چارہ گھبرا اٹھتا ہے، رونے لگتا ہے، اور روتے روتے مایوس ہو جاتا ہے، اور چپ ہو جاتا ہے۔ یہ بچہ کے ساتھ ظلم ہے۔

اسی طرح جب بچہ اپنے قریب ماں کے علاوہ روز ہی ایک اور چہرہ کو دیکھتا رہتا ہے تو وہ اس سے مانوس ہو جاتا ہے، کبھی وہ اس ہستی کو کھانا کھلا رہی ہوتی ہے، کبھی بعض دوسرے کاموں میں اس ہستی کے ساتھ ہوتی ہے وہ دیکھتا تو ہے لیکن سمجھ نہیں پاتا۔ مثلاً گھر کے تمام ہی کام ——— تو وہ جان جاتا ہے کہ یہ چہرہ، یہ ہستی بھی اس کی اپنی ہی ہے، اور جب وہ یہ جان جاتا ہے تو باپ کو چاہیے کہ وہ اس کو اپنے وجود سے اچھی طرح مانوس کرا دے۔ اکثر باپ تو جیسے اپنے آپ کو اس ذمہ داری سے بری سمجھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے بچے سے دلچسپی لینا ان کا کام نہیں ہے، وہ بھی اس کی طرف زیادہ مائل نہیں ہوتے، بس ایسے

، ہی کبھی کبھار چمکار لیا، گدگدا دیا، یا گود میں اٹھا لیا۔ ورنہ ان سے کوئی واسطہ نہیں، ماں جانے اور اس کا بچہ، ان سے کیا سروکار؟ حقیقت میں یہ باپ بھی ظلم کر رہے ہوتے ہیں۔

بچہ اپنے وجود کو ہمیشہ اہم سمجھتا ہے، اور بچہ کیا، ہم آپ سب ہی ایسا سمجھتے ہیں۔ ایک ذرا سی میزبانی میں کمی رہ جائے۔ آپ ناک بھوں چڑھا کر چلی آئیں گی اور محلہ والیوں سے خوب خوب شکوہ کریں گی۔ یہی حال مردوں کا ہے۔ پھر آخر وہ بچہ کیوں نہ اپنے وجود کو اہم سمجھے؟ اسے بھی شکایت کا موقع نہ ملنا چاہیئے۔

باپ کی اہمیت بچہ کی نظر میں یوں بھی زیادہ ہے کہ جب وہ اپنی عمر کی دو تین منزلیں گزار لیتا ہے تو اُسے یہی کہہ کر دھمکایا جاتا ہے "آنے دو تمہارے ابّو سے شکایت کروں گی"۔ اور وہ جاننے لگتا ہے کہ اس کے ابّو ہی سب سے زیادہ طاقتور ہیں، انہی کی حکومت ہے۔ انہی سے سب ڈرتے ہیں، اور انہی کا کہنا سب کو ماننا پڑتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی ابّو کا جیسا ہونا چاہیئے، تاکہ وہ بھی سب سے زیادہ طاقتور ہو جائے اس سے بھی سب ڈرنے لگیں اس کا بھی حکم سب ماننے لگیں۔ اس طرح وہ اپنے باپ میں کافی دلچسپی لینے لگتا ہے اور انہی کی عادتوں کو اپنانے لگتا ہے، ایسے وقت میں باپ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بچے کے سامنے اپنی صرف ان ہی عادتوں کو ظاہر ہونے دے جن کو وہ پسند کرتا ہے۔ وہ بچے کو یہ بھی یقین دلائے کہ اس کی ماں کی طرح اس کو بھی اس سے محبت ہے، وہ بھی اس کا دوست ہے اس کو بھی اس سے کافی دلچسپی ہے۔

اس کے علاوہ بچہ کے لیے باپ وہ آخری فرد ہوتا ہے جو اس کی بات کا صحیح جواب دے سکتا ہے۔ وہ باتیں جن کا حل ماں کے پاس کبھی نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ باپ انھیں چٹکی بجاتے ہی سمجھا دے گا۔ اسی لئے وہ جب پوچھنا چاہتا ہے تو پہلے ماں سے پوچھتا ہے اور جب اس کو ماں کے جواب سے اطمینان نہیں ہوتا تو وہ باپ کے پاس آتا ہے اور باپ اپنے کاروبار میں اتنا مصروف ہوتا ہے کہ اس کو بچے کی یہ شوخی ذرا بھی پسند نہیں آتی اور وہ اسے جھڑک دیتا ہے۔ بچہ بے چارہ خاموش ہو جاتا ہے۔ وہ یقین کر بیٹھتا ہے کہ اس سوال کا جواب ہے ہی نہیں۔ اب وہ اپنے ذہن میں بڑی الجھن محسوس کرتا ہے، اس کو ایک جواب چاہیئے تھا، اور وہ بھی نہیں ملتا۔ حالانکہ اس بیچارے نے کوئی بُری بات نہیں پوچھی تھی۔ یہی تو پوچھا کہ "اللہ میاں کہاں رہتے ہیں؟" وہ ہر وقت سنتا ہے کہ سب کچھ اللہ میاں کرتے ہیں، کھانا دیتے ہیں، پانی برساتے ہیں، یہ کرتے ہیں، وہ کرتے ہیں۔ پھر آخر اس نے اگر یہ پوچھ لیا کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے؟

آپ ذرا اس کے سوالات کو سنیں، ان کے جوابات دینے کی کوشش کریں، ایسے معقول جواب جو اس کی سمجھ کے مطابق ہوں، یہ موقع آپ کے لیے بہت نازک ہے، اگر آپ نے اسے ڈانٹ دیا تو یوں سمجھیے کہ آپ نے اس کے سوچنے اور سمجھنے کی قوت کو سخت نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اس طرح آپ اسے کند ذہن کر دیں گے، اور اتنا ہی اسے چڑچڑا اور بدمزاج بھی بنا دیں گے۔

ایسی ہی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جن کے جواب بچہ چاہتا ہے، اور ماں کے بعد باپ ہی اس کی تسلی کر سکتا ہے۔ جہاں بچہ اس کے عادات واطوار سیکھے گا

وہیں اسے اپنی دماغی صلاحیتوں کو بڑھانے میں مددگار بھی پائے گا۔

اس لیے باپ کو بھی بہت محتاط رہنا چاہیے، اور بچے کے لیے ایک اچھی مثال بن کر رہنا چاہیے۔

دوسرے گھر والے

بعض گھرانوں میں تو بچہ کے لیے اس کی ماں اور اس کا باپ ہی اس کی پوری دُنیا ہوتے ہیں، وہ گھر میں کبھی کبھار تو ضرور کسی غیر چہرے کو دیکھ لیتا ہے لیکن مستقل طور پر وہ انہی دو سے واقف ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے اکثریت تو اُن گھرانوں کی ہے جن میں اور دوسرے عزیز بھی ہوتے ہیں۔ کوئی اس کی دادی ہے کوئی چچی ہے، کوئی چچا ہے، کوئی بھائی ہے، کوئی بہن ہے، کوئی آیا ہے، وغیرہ وغیرہ، یہ تمام لوگ وہ ہوتے ہیں جنھیں وہ ماں اور باپ کے علاوہ ہر وقت دیکھتا ہے ان کی باتیں سُنتا ہے، ان کے کام کاج دیکھتا ہے، ان کے جھگڑے فساد دیکھتا ہے، اور یہ سب سمجھتے ہیں کہ وہ چاہے جو کچھ کریں، ان کا اثر بچے پر کیوں پڑنے لگا؟

دیکھیے آپ دونوں کے محتاط رہنے کے باوجود وہ یہ چور دروازہ تلاش کر سکتا ہے، اور آپ یہ جانتی ہی ہیں کہ بُرائی کو پروان چڑھنے کے لیے معمولی سا سہارا ہی کافی ہوتا ہے، یہ تو بھلائی ہوتی ہے جو محنت چاہتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے پودینہ آپ کی کیاریوں میں بڑی دیکھ بھال کے بعد اُگتا ہے اور گھاس آپ ہی اُگ آتی ہے۔ ایسے ہی بچے میں بھلی عادتوں کے بیج بونے کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے، اور بُرائی کے لیے تو بس ایک ذرا سی بے پروائی کافی ہے۔

خاص طور سے اگر آپ نے اس کے لیے کوئی آیا، یا کھلائی نوکر رکھی ہے، تو اس کے اخلاق پر کڑی نظر رکھیں۔ آپ کو معلوم ہی ہوگا، فاحشہ عورت کا دُودھ بچے کو پلانے سے منع کیا گیا ہے۔ کیوں؟ یہی وجہ ہے۔

اگر ان دوسرے گھر والوں میں سے کوئی شخص اس کے سامنے جھوٹ بولتا ہے، اور بچہ یہ جانتا ہے کہ بات اصل میں یوں نہ تھی، پھر وہ شخص جھوٹ بول کر بچ جاتا ہے تو بچہ بھی اس حربہ کو آزمائے گا۔

ان دوسرے گھر والوں کی ایک خاص عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ کبھی تو بچے میں بے انتہا دلچسپی لینے لگتے ہیں اور پھر ایک دم اس کو بھول جاتے ہیں۔ ان کی نظروں سے اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ جب یہ لوگ اس سے دلچسپی لینا کم کر دیتے ہیں تو وہ عجب الجھن میں پھنس جاتا ہے۔ اپنی اہمیت کو جتلانے کی کوشش کرتا ہے اور بالآخر ناکام ہو کر مایوس ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کی یہ بے پروائی اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ یہ گھر والے اکثر ایک کہرام سا بھی مچائے رکھتے ہیں، کبھی کسی سے جھگڑ گئے، کبھی کسی میں کیڑے نکالنے لگے، یا کبھی بے بات کی بات لے بیٹھے۔ آخر بچہ ان سب چیزوں سے کیوں نہ اثر لے؟ وہ اثر لیتا ہے اور آپ کی احتیاط کے باوجود اس میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

معلوم نہیں کیوں ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کی بھی ان سے اَن بن رہتی ہے؟ ساری خرابی آپ میں ہی تو نہیں ہے؟ تو پھر کیا ساری خرابی ان میں ہے؟ — آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے خرابی کس میں کتنی ہے، اور اس کے جانچنے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ آپ وہ بن جائیں اور اُن کو اپنی جگہ پر رکھیں،

اور اب دیکھیں کہ اگر یہ بات اسی طرح ہوتی تو ان کی جگہ ہونے پر آپ کیا کرتیں؟ قینچی کی نوک ٹوٹ جانا ایسی کوئی بڑی بات تو نہ تھی، کبھی نہ کبھی تو وہ ٹوٹتی ہی، پھر اس ہونے والی بات کا کیا غم؟ مانا کہ گرانی ہے، آپ دوسری قینچی نہیں خرید سکتیں، لیکن دیکھیے نا، بچے کی زندگی تو اس سے بھی زیادہ گراں ہے آپ اسے تو کبھی بھی نہ خرید سکیں گی پھر آپ جھگڑ کر اُسے یہ کیوں سکھاتی ہیں کہ دیکھ تو بھی یوں جھگڑنا۔!

جی ہاں، مجھے یاد ہے، میں بات دوسرے گھر والوں کی کر رہا تھا، آپ کا تذکرہ میں کیوں لے بیٹھا؟ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ دوسرے گھر والوں کو کبھی یہ کہہ کر خاموش نہیں کر سکتی ہیں کہ دیکھو میرا بچہ خراب ہو جائے گا۔ ہاں بس ایک یہی ترکیب ہے کہ آپ اپنی طرف سے دوسرے گھر والوں کو اس کا موقع نہ دیں، نوکروں میں جن کو سدھار سکتی ہیں سدھاریں، ورنہ انکی جگہ دوسرے رکھیں گھر والوں کو آپ نکال تو نہیں سکتی ہیں، البتہ اپنے عمل سے ان کے رویے کو بدل سکتی ہیں، پھر بچہ آپ ہی آپ سیکھ جائیگا کہ دوسرے گھر والوں سے کیوں کر پیش آنا چاہیئے۔

اس طرح بچہ آنکھ کھولتے ہی یہ سیکھ جاتا ہے کہ وہ کون ہے، اس کے عزیز کون کون ہیں، وہ کیا کیسے کرتے ہیں، اور اُسے بھی کیا کیسے کرنا ہے۔ اس کا مزاج دو سال کی عمر سے بدلنا شروع ہو جاتا ہے، اور آیندہ چار سال تک وہ آپ سب سے بہت کچھ سیکھ چکا ہوتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کے قیمتی سال ہوتے ہیں۔ چھ سال کی عمر تک آپ اُسے معصوم سمجھتی ہیں، حالانکہ وہ اتنا کچھ سیکھ چکا ہوتا ہے کہ اگر پندرہ سال کی عمر تک وہ اور کچھ نہ سیکھے تو یہ معلومات اس کے لیے کافی

ہوں گی۔ پھر یہی سب عمل اور فعل اس کی عادتیں بن جاتے ہیں۔ مثلاً جھوٹ، چوری، یا تحمل، نیک مزاجی اور عالی ہمتی وغیرہ۔

اس لیے اپنے بچہ کو ایک اچھا گھر اور اچھا گھرانہ دیجئے اور پھر یہ امید لگائیے کہ وہ صالح طبیعت کا مالک بن جائے گا۔

چند لفظوں میں

- گھر میں جو کچھ ہوتا ہے، بچہ اُسے کڑی نگاہ سے جانچتا ہے، اور اُسے صحیح سمجھتا ہے۔
- بچے کو آنکھ کھولتے ہی زندگی کے لیے اچھے اوصاف کے انتخاب کا موقع فراہم کریں۔

ماں اور بچہ

- بچہ ماں کے ہر عمل و فعل سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے، اس لیے آپ اپنے رہن سہن میں اس کے لئے اچھا سبق فراہم کریں۔
- بے جا لاڈ پیار سے بچے کو خراب نہ کریں۔

باپ اور بچہ

- بچے کو قبل از وقت باپ کے رشتہ کی اہمیت کا احساس نہ دلائیے۔
- بچے کی ذات میں دلچسپی لینا نہ بھولیے، ورنہ اُس کی ذات کی اہمیت مجروح ہو گی۔
- بچہ باپ کو سب سے زیادہ بااختیار سمجھتا ہے، اس لئے آپ اُسے ہمیشہ صحیح

اور صالح ہدایت دیں۔

○ بچے کے ذہنی اور اخلاقی معیار کو بلند کرنے کے لیے اپنے ذہنی اور اخلاقی معیار کو بہتر بنایئے۔

دوسرے گھر والے

○ دوسرے گھر والوں کو بھی اپنی کمزوریوں سے غافل نہیں رہنا چاہیئے بچہ اُن پر بھی نظر رکھتا ہے۔

○ بچے میں دلچسپی لیتے ہوئے اس کا خیال رکھیے کہ یہ نہ کبھی حد سے زیادہ اور نہ بے حد کم!

○ دوسرے گھر والوں کے رویئے کو اپنے عمل سے بدلنے کی کوشش کیجیے۔

○ جن نوکروں کو سدھار سکتی ہوں، سدھاریں، ورنہ ان کی جگہ دوسرے رکھیں۔

بچّہ کے ابتدائی سال

جب آپ بچّے کے لیے گھراور گھرانے کو سنوارنا شروع کر دیں تو ساتھ ہی ساتھ اس کی طرف بھی توجہ دیتی رہیں۔ آپ جانتی ہی ہیں کہ بچہ کم از کم ایک سال کی عمر تک اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ ہی اس کے لیے سب کچھ کرتی ہیں لیکن پھر رفتہ رفتہ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ بہت کچھ اپنے آپ ہی کرنے لگتا ہے۔

میرے چھوٹے بھائی نے دو سال کی کم عمر سے اپنے ہاتھ سے کھانا شروع کیا تھا۔ اس زمانہ میں اگر کوئی اسے کھلانے کی کوشش کرتا تھا تو وہ مچل جاتا تھا۔

ایسے ہی تمام بچے ایک عمر تک آپ کی مدد چاہتے ہیں، کبھی کھانے میں، کبھی کوئی بات سمجھنے میں، کبھی کوئی کام کرنے میں۔ لیکن جب یہ زمانہ گزر جاتا ہے تو پھر ان کو آپ کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ سب کچھ خود کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس لیے یہ آپ کا فرض ہو جاتا ہے کہ جس زمانہ میں اس کو آپ کی مدد

کی، آپ کی دیکھ بھال کی ضرورت ہے، آپ اس کی طرف پوری توجہ دیں۔ آپ کی یہ توجہ اس کی ان دو چیزوں کی طرف خاص طور سے ہونی چاہیے۔

○ ——— جسمانی صحت

○ ——— ذہنی صحت

جی ہاں، سب سے پہلی اور ضروری چیزیں یہی ہیں، ان میں اگر ایک کی بھی دیکھ بھال میں کمی رہ گئی تو آپ لاکھ جتن کر ڈالیے، بچہ اپنی آیندہ زندگی میں دوسروں کا محتاج بن کر ہی زندہ رہے گا۔ اس کو بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتی ہیں۔

جسمانی صحت

مگر بچے کی جسمانی صحت کے لیے تو آپ کو اس وقت سے خیال رکھنا چاہیے جبکہ وہ ابھی پیدا بھی نہ ہوا ہو۔ اس زمانہ میں عام طور سے ماؤں کو ایسی غذاؤں سے منع کیا جاتا ہے جو جلد ہضم نہیں ہوتی ہیں۔ ایسی چیزیں بھی کھانے سے روکا جاتا ہے جو بہت تیز ہوتی ہیں۔ بہت گرم چیزیں نقصان دہ ہوتی ہیں، زیادہ تر تازہ پھل اور ترکاری استعمال کی جاتی ہے ۔ مجھے یہاں یہ نہیں بتلانا ہے کہ ایسے زمانہ میں کیا کھایا جائے یا کیا نہیں۔ البتہ میں یہ ضرور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ بچہ جس وقت ماں کے خون سے پرورش پا رہا ہوتا ہے اس کو تمام مضر چیزوں سے بچانا ماں کا فرض ہوتا ہے۔ اگر اس زمانہ میں اس کی پروا نہ کی گئی تو سمجھ لیجیے کہ پھر آیندہ اس کا سنبھلنا محال ہی ہوگا۔ آپ جب رشتوں کے لیے آٹا

گوندھتی ہیں تو اس کا خاص خیال رکھتی ہیں کہ وہ نہ تو سخت ہی رہ جائے اور نہ بالکل پتلا ہو جائے لیکن جب آپ کی مرضی کے خلاف آٹا پتلا ہو جاتا ہے تو پھر اچھی روٹیاں تیار نہیں ہو پاتی ہیں۔ بالکل یہی حال اس زمانہ میں بچے کی خوراک کا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں آپ کو اپنی صحت کا بھی خاص خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ورنہ یہ بڑا آسان ہے کہ جو بیماری آپ کو ہے وہی بچے کو بھی ہو جائے۔ مثال کے طور پر کچھ بھائی بہنوں کو پیدائشی نزلہ ہوتا ہے اور انھیں اس سے کبھی بھی چھٹکارا نہیں ملتا۔ ایسے ہی بہت سے ایسے مرض ہوتے ہیں جو والدین کی وجہ سے بچوں کو ہو جاتے ہیں۔

پیدائش کے بعد بھی ماں کے اپنے مرض بچوں کو ہو جایا کرتے ہیں۔ اس کا سبب ماں کا دودھ ہے۔ بچے کو صحت مند ماں کے دودھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس کو ایسا دودھ نہیں ملتا ہے تو وہ بھی اسی مرض کا شکار ہو جاتا ہے جو ماں کو لاحق ہے۔

دودھ کے سلسلہ میں ایک بات کا سب سے زیادہ خیال رکھنا چاہیے اور یہ بات اُن ماؤں سے متعلق ہے جن کے بچے دودھ پلائیوں کے سہارے پرورش پلتے ہیں ــــــ دودھ پلائی کے بچے کی عمر وہی ہونی چاہیے جو اس بچے کی ہو، ورنہ دوسری صورت میں بچے کے معدے کے خراب ہو جانے کا بڑا خطرہ رہتا ہے، خاص طور سے یہ تو ہمیشہ خیال رکھیے کہ ان دودھ پلائی بچوں میں آپکے بچہ کی عمر کم نہ ہو، ورنہ ایسے دودھ کو ہضم کرنا اس کے لیے مشکل ہو گا۔

بچوں کو دودھ اور غذا بھی وقت ہی سے دینی چاہیے۔ اکثر مائیں تو یہ

سمجھتی ہیں کہ بچہ رونا محض اس لیے ہے کہ اس کو بھوک لگی ہے اور وہ جلدی سے اپنا فرض اتار ڈالتی ہیں۔ بھئی! ذرا یہ تو غور کیجئے کہ کیا اس کے علاوہ اس کو کوئی ضرورت تو نہیں، اس کو کوئی تکلیف تو نہیں، وہ کہیں ڈر تو نہیں گیا؟ —— اگر ان میں سے کوئی بات ہے تو پہلے اس طرف توجہ دیجئے ورنہ آپ جانتی ہیں کہ ہر وقت معدے کو لبا لب بھرا رکھنا اچھا نہیں۔

اور ہاں اکثر مائیں یہ بھی کرتی ہیں کہ وہ بچے کو محض اس وجہ سے جلد جلد دودھ پلاتی رہتی ہیں کہ وہ رونے نہ پائے۔ ابھی دو گھڑی گزرنے نہیں پائی کہ وہ اس کو دودھ پلا دیتی ہیں۔ یا کچھ کھلا پلا دیتی ہیں —— آپ یہ کرتی تو اپنی آسانی کے لیے ہیں، لیکن یہ نہیں سوچتی ہیں کہ بچے کو اس سے کتنا نقصان پہنچتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں بچے کا معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ اس کو اتنا موقع نہیں ملتا کہ وہ غذا کو ہضم کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آنتیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ بچہ بیمار ہو جاتا ہے۔ دودھ ڈالنا، دست آنا وغیرہ اسی بنا پر ہوتا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ بچے کو غذا دینے کے لیے وقت مقرر کر لیں، اور وقت پر ہی اس کو غذا دیں۔

غذا کے سلسلہ میں ایک بات اور جان لیجئے۔

بچے کو ہمیشہ اس کی پسند کی غذا دیجیے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کو کریلے بہت پسند ہیں اس لیے آپ اس کو کریلے ہی کھلائیں، چاہے وہ کتنا ہی منہ بنائے۔ آپ کا کہنا درست ہے کہ انسان کو ہر غذا کی عادت ہونی چاہیے کیا معلوم کب کیسا موقع

پڑے۔ مگر اس طرح اگر آپ اس کو زبردستی کھلائیں گی تو وہ دوا کی طرح رو رو کر کھا تو لے گا، لیکن آئندہ وہ اسے دوا ہی سمجھ کر کھائے گا۔

دیکھیے میں آپ کو ایک واقعہ سناؤں —— ایک بچہ کو نارنگیاں بہت پسند تھیں، وہ بہت شوق سے نارنگیاں کھایا کرتا تھا۔ ایک بار وہ بیمار پڑا۔ ڈاکٹر نے اس کو نارنگیاں کھانے کے لیے بتایا، اور جو دوا تجویز کی وہ بہت ہی کڑوی کسیلی تھی۔ بچہ دوا کے ساتھ نارنگیاں کھانا پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن اس کے ماں باپ نے اس کی صحت کے خیال سے اُسے زبردستی نارنگیاں کھلائیں۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو اس نے پھر کبھی نارنگیوں کو منھ نہ لگایا۔

مجھے خود اپنے بارے میں اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں مجھے ترکاریاں، دودھ اور بالائی وغیرہ محض اس خیال سے زبردستی کھلائی جاتی تھیں کہ "کیا معلوم کب کیسا موقع پڑے"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکاریوں سے مجھے نفرت ہو گئی، بیس بائیس سال کی عمر تک میں نے کوئی ترکاری نہ کھائی۔ بالائی کے نام سے مجھے اُبکائی آتی تھی۔ کچھ گھی کی بُو مجھے اب تک پسند نہیں ہے۔

ہاں اس زبردستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکاری سے مجھ کو جو فائدہ اٹھانا چاہیے تھا۔ وہ میں نہ اُٹھا سکا۔

اس لیے بچوں کو جب آپ غذا دیں تو رغبت دلا کر دیں، زبردستی نہ کریں، بچے کی تکلیفوں اور اس کی بیماریوں کا بھی آپ خاص خیال رکھیں۔

شروع شروع میں بچہ اپنی تکلیف آپ نہیں ظاہر کر سکتا۔ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کچھ کچھ بولنے لگتا ہے تب بھی اپنی تکلیف نہیں بیان

کر پاتا بس وہ جہاں کچھ تکلیف محسوس کرتا ہے رونے لگتا ہے۔

میں نے ایک بچے کو دیکھا تھا جو بڑی پیاری پیاری باتیں کرتا تھا لیکن جب اس کو کچھ تکلیف ہوئی تو رونے لگا۔ اس کے والدین اس پر بگڑ پڑے کہ ابھی تو ایسی ایسی باتیں بنا رہا تھا، اور اب بالکل ہی ننھا بن گیا ہے حالانکہ اس میں اس بے چارے کا کیا قصور تھا؟ اس کے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا، اس لیے وہ رونے لگا تھا۔ اگر وہ جان ہی سکتا کہ اسے اس درد کو کس طرح ظاہر کرنا ہے، تو پھر وہ روتا کیوں؟

بچے کی بیماری بھی بڑی توجہ کی چیز ہوتی ہے۔ میری نظر سے کچھ ایسی مائیں بھی گزری ہیں، جن کا بچہ بیمار ہوا، اور انھوں نے شروع میں کوئی پروا نہ کی۔ وہ یہی سمجھتی رہیں کہ معمولی سی بیماری ہے آپ ہی اچھی ہو جائے گی لیکن بیماری جڑ پکڑ گئی اور لینے کے دینے پڑ گئے۔

جی ہاں، یہ اکثر ہوتا ہے کہ بچہ آپ ہی آپ اچھا بھی ہو جاتا ہے، اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اس کو دوا کا عادی بنا دیا جائے۔ لیکن جس لاپروائی کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔ بچہ کا جسم جب طرح طرح کی بیماریوں کا سامنا کرتا رہتا ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے اندر پھر اور بیماریوں کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی ہے اور وہ بستر پر پڑ جاتا ہے، وہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ عمر بھر موٹا تازہ نہیں ہو پاتا۔

بیماریوں سے بچائے رکھنے کی بہترین ترکیب احتیاط ہے۔ لُو دھوپ ٹھنڈک وغیرہ سے اگر بچایا جائے، اور غذا میں احتیاط کی جائے تو بیماری کے

امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو صاف ستھرا رکھنا بھی بہت بڑی احتیاط ہے۔
بہت لاڈ پیار بھی بچے کی صحت خراب کر دیتا ہے۔
وہ کیسے ؟
ایک واقعہ سنئے !

ایک بچہ چار سال کی عمر تک نہ چل سکتا تھا اور نہ بات کر سکتا تھا۔ ڈھائی تین سال کی عمر تک وہ کھڑا بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے تمام خاندان والوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اس کے پیر بے کار ہیں، اور وہ گونگا ہے۔ بچے کے باپ حکیم تھے، شاید انہوں نے کچھ دوائیاں بھی استعمال کرائیں، لیکن نہ وہ چل ہی سکا، اور نہ بات کر سکا۔ اس بچہ کو کھلانے کے لیے ایک گونگی رکھی گئی تھی۔ اس کے لیے کوئی اور کام تو تھا نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کو ہر وقت گودی چڑھائے رکھتی تھی، اور جب وہ اس کو زمین پر اتارتی تھی تو سزا پاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچہ جتنی دیر جاگتا رہتا تھا۔ گودی چڑھا رہتا تھا۔ چار سال کے بعد ایک دن وہ گونگی غائب ہو گئی اور بہت تلاش کے بعد بھی نہ ملی۔ آخر کار بچے کے لاڈ پیار میں کمی کرنی پڑی اور وہ ادھر ادھر زمین پر رینگنے لگا اور جلد ہی چلنے لگا اور پانچ سال کی عمر میں چھوٹے چھوٹے جملے بھی بولنے لگا۔

ایسے ہی اور بھی بہت سے غلط لاڈ پیار ہوتے ہیں جو بچے کو جسمانی طور پر کمزور کر دیتے ہیں۔ متمول گھرانوں کی عورتیں اپنے بچوں کو موٹے جھوٹے کام نہیں کرنے دیتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر میں کلرک یا بابو تو بن جاتے ہیں لیکن تجارت اور محنت مزدوری کرنے سے معذور رہ جاتے ہیں۔

آپ اپنے بچے کے لیے اگر یہ پسند کرتی ہیں کہ وہ نواب بن کر جیے تو پسند کیجیے، آپ کو کون روک سکتا ہے؟ البتہ میں آپ کو اتنا بتا دوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بکریاں چرائی ہیں، انھوں نے خود کھائیاں کھودی ہیں، انھوں نے خود پتھر ڈھوئے ہیں، اور ان کی تعلیم بھی یہی رہی ہے کہ کوئی کام ذلیل نہیں ہے۔ آپ نے انہی کاموں کو عزت والا بتایا ہے جن کو آج ذلیل سمجھا جاتا ہے۔

آپ بچے کو ہاتھ پیروں کو استعمال کرنے کا موقع دیں۔ وہ اگر ہاتھ پیر پھینکتا ہے تو آپ اس سے نہ اُلجھیے۔ اس طرح وہ انھیں استعمال کرنا سیکھتا ہے۔ وہ جیسے جیسے بڑھتا جائے اس کو اسی مناسبت سے اپنی قوت کو استعمال کرنے کا موقع دیں۔ یہ بھی درست نہیں ہے کہ آپ تین چار سال کے بچے سے من دو من کا بوجھ اٹھوائیں، اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ اس کو گلاس اُٹھا کر خود پانی نہ پینے دیں۔

آپ بچے کو جس قدر موقع اپنی قوت کے صحیح استعمال کا فراہم کریں گی۔ اس کی جسمانی صحت اتنی ہی اچھی رہے گی۔

ذہنی صحت

یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ اگر بچے کے دماغ نہ ہوتا تو وہ بالکل بے کار ہوتا نہ وہ کچھ سوچ سکتا نہ سمجھ سکتا، نہ کوئی اشارہ کرسکتا، ورنہ آپ کے اشارے سمجھ سکتا بس ایک گوشت کا لوتھڑا ہوتا جس کے ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، کان ہوتے۔ وہ بلی، کتا اور مرغی جیسا بھی جانور نہ ہوتا، کیونکہ ان کے بھی کسی نہ کسی

حد تک دماغ ہوتا ہے یہ جانور بھی اپنی ضرورت کے لائق چیزوں کو پہچانتے اور اُن سے کام نکالتے ہیں۔

اس طرح یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے انسان کو تمام مخلوقات سے بہتر دماغ دیا ہے، اور سب سے زیادہ عمدگی کے ساتھ اسے استعمال کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ تمام انسانوں کے دماغ ایک سے نہیں ہوتے، لیکن عام طور سے اتنی ذہنی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو دی ہے کہ وہ اپنا کام آسانی سے چلا سکے۔

ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے جو ذہنی طور پر ناقص ہوتے ہیں۔ یعنی جن کے لیے آپ کہتی ہیں کہ اس میں عقل کی کمی ہے۔ اور ہاں ایسے لوگ بھی زیادہ نہیں ہوتے جن کے لیے آپ کہتی ہیں کہ وہ بے حد عقلمند ہے۔ البتہ انسانی ضرورت بھر عقل عام انسانوں کے پاس ہوتی ہی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ عام طور سے ماؤں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ان کے بچے میں سب کچھ ہے مگر عقل نہیں ہے۔

میں پوچھتا ہوں آپ نے اس کو اپنی عقل استعمال کرنے کا کتنا موقع دیا؟۔ یہ تعجب کرنے کی بات نہیں! اگر آپ نے اس کو اپنی عقل استعمال کرنے کا موقع نہیں دیا ہے تو یہ اس کی اپنی خامی نہیں ہے، بلکہ آپ کی ہے۔

دیکھیے، آپ ناراض نہ ہوں، میں نے اپنے ذمہ اس وقت کچھ خدمت ہی ایسی لے رکھی ہے کہ ایسی ویسی بات مجھے کہہ دینی ہی پڑتی ہے۔

آپ کی خامی سے میرا مقصد یہ ہے کہ آپ نے خود اس طرف توجہ نہیں دی ہے۔

آپ نے اُسے بہت سے کام کرنے سے روکا ہے، حالانکہ وہ انھیں اپنی معلومات بڑھانے کے لیے کرنا چاہتا تھا۔

دیکھیے ابھی آپ کو کل سہ پہر ہی کی بات بتاؤں، آپ دوپٹہ رنگ کر الگنی پر پھیلانے چلی گئی تھیں کہ آپ کے ننھے ساتھی نے اودے رنگ کی ساری پڑیا نارنجی رنگ میں انڈیل دی۔ پھر خوب اپنے ہاتھوں سے اُسے گھولا، اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے گالوں پر رگڑا، اور تسلے میں جھانک کر اپنا منھ دیکھا اور کھلکھلا کر ہنسا اتنے میں آپ آگئیں! یہ دُرگت! تمام رنگ اکارت گیا، منھ اور کپڑے الگ خراب ہوئے، شیطان کہیں کا۔ آپ کو بُری طرح غصہ آگیا۔ اور آپ نے زور زور سے دو تین تھپڑ رسید کیے۔

نقصان تو جو کچھ ہونا تھا ہو ہی گیا۔ افسوس ہونا بھی لازمی تھا لیکن اس بے چارے کا بھی تو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ تو یہ جانتا نہ تھا کہ یہ سب پڑیوں میں کیا کیا بندھا رکھا ہے، ان کا مصرف کیا ہے، اور آپ نے یہ جو ایک پڑیہ میں سے کچھ تھوڑا سا نکال کر پانی میں ڈالا اور پھر سفید دوپٹہ نارنجی کر لیا، یہ آخر کیسے ہو گیا؟ ذرا وہ بھی تو کر کے دیکھے۔ اس سے بھی ایسا ہی ہو سکے گا یا نہیں؟

اسی طرح وہ واقعہ بھی یاد کر لیجیے۔ جب آپ نے اس کو بڑا خوبصورت سا مٹی کا کھلونا دیا تھا اور اُس نے فوراً ہی زمین پر پٹخ کر توڑ ڈالا تھا، اور پھر آپ نے عہد کر لیا تھا کہ آپ اُس کو ٹوٹ جانے والے کھلونے کبھی بھی نہ دیں گی، مگر خاتون! اس نے وہ کھلونا توڑا کب تھا؟ وہ تو معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا یہ کھلونا بھی گیند کی طرح اچھلے گا۔

غرض ایسے واقعات روز روز پیش آتے رہتے ہیں۔ اور جب آپ کو اس کی کوئی حرکت پسند نہیں آتی تو آپ اس کو سزا دے ڈالتی ہیں۔ آپ کو نہ معلوم کیوں اس کی طرف سے یقین ہو گیا ہے کہ وہ بس نقصان کرنے ہی پر تُلا ہوا ہے۔ ذرا بھی کوئی چیز اس کی پہنچ میں ہوئی اور اس نے توڑ ڈالی۔ وہ بے چارا خود پریشان ہے کہ آخر وہ کیا کرے؟ کیسے آپ کو یقین دلائے کہ وہ آپ کا دشمن نہیں ہے۔ وہ اگر آپ کو خوش کرنے کے واسطے چادر بھی تہہ کرنے لگتا ہے تو آپ بگڑ جاتی ہیں "دیکھ میلی کر ڈالے گا" اور وہ بے چارا سہم کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آپ اُسے کچھ بھی نہیں کرنے دیتی ہیں، اس لیے اب اس کو یقین ہو گیا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے، وہ کچھ کرنے کے قابل ہی نہیں ہے۔

حالانکہ آپ اپنے معاملات پر غور کیجیے۔

کروشیا یا اُون کی بُنائی کے نمونے جب آپ کی نظر سے گزرتے ہیں تو آپ بڑے اشتیاق سے ان کو دیکھتی ہیں، کبھی ادھر الٹتی ہیں کبھی اُدھر پلٹتی ہیں، اور کبھی تو نمونے کو تھوڑا بہت ادھیڑ بھی ڈالتی ہیں، تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس طرح بُنا گیا ہے۔

لیکن آپ اس ننھے معصوم کو اس کا موقع نہیں دیتی ہیں۔ آخر کیوں؟

کیا آپ نے بُنائی کا یہ نمونہ دیکھتے ہی بس جان لیا تھا کہ یہ اس طرح بُنا جاتا ہے؟ اور کیا آپ کو سلائیاں لے کر نہیں بیٹھنا پڑا تھا؟ اور گھنٹوں مغز ماری نہیں کرنی پڑی تھی۔

"کرنی تو پڑی تھی"

تو پھر آپ اس سے یہ توقع کیوں کر کر سکتی ہیں کہ وہ ایک چیز کو بغیر آزمائے بغیر جانچے جان جائے ؟ اس کو بھی اس کا موقع دیجئے۔

اور جن بچوں کو اس آزمائش کا موقع نہیں ملتا اُن کا ذہن غیر تربیت یافتہ رہ جاتا ہے۔ وہ نہیں جان پاتے ہیں کہ ایک چیز کیونکر بنی ہے، اس کو کیونکر استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ ہر چیز کو چھوتے ہوئے ہچکچاتے ہیں، ان کو ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ چیز ان سے خراب نہ ہو جائے۔ وہ اس کے منتظر رہتے ہیں کہ کوئی آئے اور اُن کو بتائے کہ وہ اُسے یوں استعمال کریں۔ اور جب اُن کو ایسا بتانے والا نہیں ملتا ہے تو وہ اگر ڈرتے ڈرتے اس چیز کو استعمال کرتے ہیں تو وہ یقیناً خراب ہو جاتی ہے۔

بچے کے لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ جس چیز کو وہ استعمال کر کے جاننا چاہتا تھا اُس میں آپ اُس کی مدد کریں، بیشتر کام اسی کو کرنے دیں۔ اور جب آپ کو خطرہ ہے کہ وہ اس چیز کو خراب کر ڈالے گا تو آپ آئندہ کام اپنے ذمہ لے لیں اور اس کو اس طرح سمجھا دیں کہ اس کو محسوس بھی نہ ہو کہ آپ اس کے کام میں دخل در معقولات کر رہی ہیں۔ ورنہ وہ اپنے ذہن کو استعمال نہ کر پائے گا۔

بچے کو اپنے ذہن کو کام میں لانے کے لیے مختلف قسم کے ذہنی کھیل یا پہلیاں وغیرہ حل کرنے کے واسطے دیجئے۔ مثلاً آپ اس سے پوچھیں، ایک آدمی ایک آنکھ سے ایک میل دیکھتا ہے تو دو آنکھوں سے کتنے میل دیکھے گا؟ وہ فوراً کہہ دے گا کہ "دو میل" آپ اس سے کہیے، ایک آنکھ بند کرو اور دیکھو۔ پھر اس سے کہیے کہ، اب دوسری آنکھ بھی کھول دو، اور دیکھو۔ پھر اس سے پوچھیے کہ اب تم کو کچھ فرق معلوم ہوا ؟ وہ

کہے گا "نہیں"۔ اور سوال اس نے خود حل کر لیا۔

تین چار سال کے بچے کے لئے یہ سوال زیادہ مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس سے کم عمر کے بچوں سے چیزوں کے نام، رشتہ داروں کے رشتے وغیرہ پوچھ کر اس کے دماغ کو کام کرنے کا موقع دیا جا سکتا ہے۔ وہ جس قدر اپنے ذہن پر زور دے گا اتنی اس کی استعداد بڑھتی جائے گی۔

بچے کہانیاں بہت پسند کرتے ہیں، ان کو کہانیاں سنائیے، اور سوچنے کا موقع دیجیے۔ پہیلیاں سنائیے اور حل کرنے کا موقع دیجئے۔ لیکن اس کا بھی خیال رکھیے کہ اگر وہ پہیلی بوجھ نہیں پاتا ہے تو آپ ہی اس کی مدد کیجیے۔ مختلف طریقوں سے، اشاروں سے آپ اس کو بتائیے کہ اس پہیلی میں یہ ہے اور پھر وہ آیندہ یاد رکھے گا۔ کبھی ایسا نہ کیجئے کہ ایک پہیلی سنائیے اگر وہ بوجھ نہ پائے تو اس کا جواب ہی نہ بتائیے۔ اس طرح اس کو اپنی ناکامی کا اتنا احساس ہو جائے گا کہ وہ پھر کبھی بھی آسانی سے اپنے ذہن کو کام میں نہ لائے گا۔ اور ایسا بھی نہ کیجئے کہ پہیلی سناتے ہی جواب بھی بتلا دیجئے۔ اس طرح تو اور بھی وہ اپنے ذہن پر زور نہ ڈالے گا۔

آپ کبھی اپنے بچہ کے سامنے یہ نہ کہئے کہ اس کے عقل نہیں ہے، وہ فوراً آپ کی بات کا یقین کرلے گا اور اپنی عقل کی محرومی سے مایوس ہو جائے گا اب جب بھی اس کے سامنے کوئی چیز رکھی جائے گی تو وہ اس پر اس لیے غور نہ کرے گا کہ اس کے پاس تو عقل ہی نہیں ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچے کی توجہ ایک خاص طرف نہیں ہوتی ہے۔

اس لیے وہ اس چیز میں دلچسپی نہیں لیتا ہے۔ لیکن اگر آپ نے کہیں اس سے کہہ دیا کہ تجھے تو پڑھنے سے دلچسپی ہی نہیں، تو پھر وہ واقعی دلچسپی نہیں لے گا۔ کیونکہ اس کو تو بتا یا گیا ہے کہ اس کو پڑھنے سے دلچسپی نہیں ہے۔ پہلے یہ تو کیجئے کہ اس کو پڑھنے کی طرف متوجہ کرائیے، پھر اس سے دلچسپی لینے کا مطالبہ کیجئے۔

یہ بھی نہ کیجئے کہ ایک بچہ ہے تو ڈیڑھ دو سال کا اور آپ اس سے سوال تین سال کے بچے کی استعداد کا حل کرائیے۔ ایسا کرنے سے بچے کے ذہن پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ مثلاً آپ اس سے وہی نظر والا سوال کریں گی اور وہ جواب دے پائے گا، یا آپ کی بات ہی نہ سمجھ پائے گا، تو اس کی طبیعت اُچاٹ ہو جائیگی، اور وہ پھر ایسی باتوں میں کبھی دلچسپی نہ لے گا۔

بچوں کو پڑھتے وقت یہ احساس نہ دلائیے کہ وہ پڑھ رہے ہیں۔ ان کو اس طرح پڑھائیے کہ وہ اس میں دلچسپی لیں۔ ڈنڈے سے ٹھونک کر آپ اس کو بغدادی قاعدہ رٹا دیں گی لیکن عمر بھر وہ یہی سمجھتا رہے گا کہ یہ ایک بلا تھی جو اس کے سر سے ٹل گئی۔ لیکن اگر اس کا ذہن خود اس طرف متوجہ ہوگا تو نہ اس میں تعلیم کی طرف سے نفرت اور خوف پیدا ہوگا اور نہ وہ اپنے ذہن کو استعمال کرتے ہوئے گھبرائے گا۔ بہت سے بچے مدرسوں میں اسی وجہ سے پیٹے جاتے ہیں کہ ان کے ساتھ شروع ہی سے پڑھائی کے معاملہ میں یہی برتاؤ ہوا تھا۔

اگر آپ اپنے بچے کو کوئی چیز یاد کرانا چاہیں تو یہ دیکھ لیں کہ وہ اتنی طویل تو نہیں ہے کہ بچے کے بس سے باہر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر اس کی وسعت بھر ہی پابندی عائد کی ہے۔ کہیں آپ تو بچے کی وسعت سے زیادہ اس

پر پابندی عائد نہیں کر رہی ہیں؟

بچہ بہت سی اُلٹی سیدھی باتیں سوچتا رہتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ اپنے ابّو کو بھی سمجھتا تھا کہ اس کی امّی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایسے لمحول میں آپ اس کی صحیح رہنمائی کریں تاکہ اس کے ذہن میں کوئی گتھی نہ رہ جائے ورنہ آپ جانتی ہیں کہ وہ نہ معلوم کیا اوٹ پٹانگ سیکھتا رہے گا۔

آخر میں ذہنی صحت کے لیے ایک بار پھر عرض کروں گا کہ آپ پہلے سے یہ یقین کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ آپ کا بچہ بے عقل ہے۔ اور یہ زیادتی بھی نہ کریں کہ جہاں وہ کچھ کرنے چلا آپ اس کا راستہ روک دیں۔ آپ اس کو اپنا دماغ پوری طرح استعمال کرنے کا موقع دیں۔

چند لفظوں میں

- جسمانی اور ذہنی صحت کی دیکھ بھال کے بغیر بچہ ساری عمر دوسروں کا محتاج رہے گا۔

جسمانی صحت

- پیدائش سے پہلے آپ کی صحت پر بچہ کی صحت منحصر ہے۔
- پیدائش کے بعد جب تک بچہ آپ کا دودھ پیتا ہے اُس وقت تک بھی آپ کو بچے کی صحت کے لیے اپنی صحت کا خیال رکھنا ہوگا۔
- بچے کی خوراک کے اوقات مقرر کیجئے۔ یہ صحت کی ضمانت ہے۔
- بچے کو ہمیشہ ایسی غذا دیجئے جس کے لیے اُس کے اندر رغبت ہو، یا آپ

نے رغبت پیدا کر دی ہو۔

- غذا میں اُس کی تکلیفوں اور بیماریوں کا خاص لحاظ رکھیں۔
- بچے کو دوا کا عادی نہ بنائیے۔
- لاڈ پیار میں بچے کو جسمانی محنت سے محروم نہ کریں۔

بچے کی قوّت کو آپ صحیح استعمال کا جتنا موقع دیں گی۔ اُس کی جسمانی صحت اتنی ہی اچھی رہے گی۔

- ذہنی صحت
- ضروری نہیں کہ آپ کا بچہ پیدائشی طور پر کم عقل ہو۔ بہت ممکن ہے کہ آپ نے اُسے اپنی عقل استعمال کرنے کا موقع نہ دیا ہو۔
- بچے کو چیزوں کو آزمانے اور جانچنے کی آزادی دیجئے۔ اور ضرورت ہو تو اُس کی مدد بھی کیجئے۔
- بچّے کی مدد کرتے وقت اُسے اس کی ناکامی کا احساس نہ دلائیے۔
- ذہنی استعداد کو بڑھانے کے لیے پہیلیاں، رشتے اور تعلقات کی تفصیل اور ملکوں کے حالات وغیرہ سُنائیے۔
- بچّے سے کبھی نہ کہیے کہ "تم کم عقل ہے"۔ اس سے اُس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔
- بچّے سے جو کام آپ لینا چاہتی ہیں، پہلے اس میں اُس کی دلچسپی پیدا کریں، خواہ تعلیم ہی کیوں نہ ہو۔
- بچّے کی ذہنی مشغولیت میں اُس کی عمر کا لحاظ ضرور رکھے۔
- کام اور ذمہ داری کا احساس دلا کر بچّے کا ذہن بوجھل نہ کیجئے۔
- بچہ جب اوٹ پٹانگ سوچے تو دانشمندی کے ساتھ اس کی رہنمائی کیجئے تاکہ وہ سوچنے کا انداز بھی سیکھ جائے۔

بچّہ کی نشوونما

اگر آپ بچے کی صحیح تربیت کرنا چاہتی ہیں تو آپ کو سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں وہ صحیح طریقے سے اس میں پروان چڑھیں۔ جی ہاں! اس کی صلاحیتوں کا ٹھیک طور سے پروان چڑھنا ہی اس کی صحیح تربیت ہے۔ اگر آپ نے بچے کی زندگی کے اس گوشے کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لی تو پھر آپ کے لیے بڑا مشکل ہو گا کہ جس قدر صالح آپ اسے بنانا چاہتی ہیں وہ اتنا صالح ہو جائے۔

لیکن یہ صلاحیتیں کیا ہیں؟ —— آیئے ہم اُن کو بھی پہچان لیں۔

آپ تو یہ جانتی ہیں کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلے روتا ہے۔ اس کا یہ رونا آپ سب کے لیے بڑی خوشی کا باعث ہوتا ہے، آپ جانتی ہیں کہ یہ اس کی زندگی کی علامت ہے۔ پھر جب وہ آنکھیں کھولنے لگتا ہے تو وہ اپنی نظروں کو جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح وہ بے مقصد اپنے ہاتھ پاؤں پھینکتا

رہتا ہے ایسی ہی معلوم نہیں کتنی حرکتیں وہ کرتا ہے لیکن آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی ہیں کہ وہ فلاں فلاں حرکت کس وجہ سے کر رہا ہے اور پھر کچھ دنوں کے بعد جب آپ اس کی ان حرکتوں سے مانوس ہونے لگتی ہیں تو آپ کو اس کا بھی علم ہو جاتا ہے کہ وہ رو رہا ہے اس لیے کہ اس کو بھوک لگی ہے یا وہ ڈر گیا ہے، اور ایسی ہی تمام باتیں۔

یہ حرکتیں وہ کیوں کرتا ہے؟ کبھی آپ نے اس پر بھی غور کیا؟

آپ کا خیال درست ہے کہ یہ ایسی کون سی چیز تھی جس پر غور کیا جاتا؟ بہر حال اگر آپ نے اب تک یہی سوچا تھا تو اب اپنے بچے کی ان حرکتوں پر نظر رکھیے اور ان حرکتوں کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کیجئے دیکھیے یہ حرکتیں ہی دراصل اس کی صلاحیتیں ہیں۔ اگر وہ اس طرح کی بے معنی اور غیر ضروری حرکتیں نہ کرتا ہوتا تو ذہین اور عقل مند بچہ بن کر نہ بڑھ سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیادہ تیز روشنی کے سامنے اپنی آنکھیں بند کرلے۔ اس کے ہاتھ میں یا جسم میں کوئی چیز چبھ جائے تو وہ اپنا ہاتھ یا اپنے جسم کا وہ حصہ ہٹا لے۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی تیز آواز ہو تو وہ چونک پڑے یا رو دے۔ غرض اس طرح کی تمام صلاحیتیں ہی اس کی آئندہ زندگی میں اس کے حلم، اس کے غم و غصہ اور اس کی عادت و اخلاق کا حصہ بنتی ہیں۔

مجھے آئندہ صفحوں میں انہی باتوں کے بارے میں کہنا ہے، اور یہ بھی بتانا ہے کہ اس کے جذبات، اس کی بول اور اس کے رہن سہن میں آپ شروع ہی سے ان باتوں پر غور کر کے کیوں کر اس کو سدھار سکتی ہیں؟ اور کیوں کر ان کی طرف سے

بے پروائی بچے کے لیے مضر ہوتی ہے ؟ ۔

جذباتی نشو ونما

آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ آپ کا یہ چھوٹا سا معصوم بچہ جس کی عمر مشکل سے سال دو سال کی ہے، شوخ رنگوں کو دیکھ کر ان کی طرف لپکتا ہے' اس لمحہ اس کے چہرے سے خوشی اور مسرت کا بھی اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بڑے دھماکہ کی آواز ہوتی ہے تو وہ چونک پڑتا ہے۔ اور بعض اوقات تو رونے بھی لگتا ہے۔ اور بالکل اسی طرح جب وہ کسی موقع پر آپ کی چینی کی پرچ کے ساتھ کھیلنے لگتا ہے تو آپ احتیاط کے خیال سے اس سے وہ پرچ چھین لیتی ہیں اور وہ مچل کر رونے لگتا ہے اس وقت اس کے چہرہ بشرہ سے ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا ہوتا ہے۔

یہ اور ایسی ہی متعدد حالتوں کا اظہار آپ نے اپنے بچے کے چہرہ پر اکثر دیکھا ہوگا۔ اور اگر آپ یاد کرنے کی کوشش کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایسا ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔ اور ہر بچے کے معاملے میں ہوتا ہے۔ ہر بچہ ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے ہر بچہ خوف کھاتا ہے۔ اور ہر بچے کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگتا ہے یہی بچے کے جذبات ہیں' اور یہی سب ہم آپ میں بھی ہیں۔ ہم بھی ہر اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو ہمیں پسند آتی ہے۔ ہم بھی اکثر چیزوں سے خوف کھاتے ہیں' اور ہم بھی اکثر چیزوں سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن اکثر بہنیں ایسی بھی ہیں جن کو اچھی بات بھی پسند نہیں آتی، جو مکڑے سے بھی خوف کھاتی ہیں'

اور جو ہر بات میں کیڑے نکالتی ہیں ــــ ایسی عورتوں سے کون خوش رہتا ہے؟ جب بھی آپ کا واسطہ کسی ایسی عورت سے پڑجاتا ہوگا تو آپکی طبیعت بھی بوجھل ہوجاتی ہوگی، اور جب تک وہ موجود رہتی ہوں گی ان کی وجہ سے ساری محفل کے رنگ میں بھنگ پڑجاتا ہوگا۔

لیکن غور کیجئے، کیا ان میں کوئی نئی چیز پیدا ہوگئی ہے؟ کیا ان میں کچھ اور نئے جذبات کا اضافہ ہوگیا ہے؟ شاید نہیں؟ جی! بلکہ قطعاً نہیں۔ ان میں بھی خوف کا جذبہ ہے، اور بے خوفی کا جذبہ ہے، ان میں بھی خوشی کا جذبہ ہے اور غم کا جذبہ ہے۔ وہ بھی پسند کا جذبہ رکھتی ہیں، اور ناپسندیدگی کا جذبہ رکھتی ہیں پھر کیا بات ہے جو وہ عجوبہ نظر آتی ہیں؟ وہ کیوں دنیا بھر سے نرالی ہوگئی ہیں؟ اس نرالے پن اور عجوبگی ہی کا جتنا کھوج آپ لگائیں گی بات صاف ہوتی چلی جائے گی اور آپ جان جائیں گی کہ ان میں کچھ ان جذبات کا ابھرنے کا زیادہ موقع ملا ہے، جو اوروں میں ایک حد کے اندر رہے ہیں۔

مثلاً ایک بچی کی ماں بجلی کی کڑک سے بہت ڈرتی تھیں۔ جب بھی بجلی کڑکتی تھی اور وہ اتفاق سے صحن میں ہوتی تھیں تو وہ چیخ کر بھاگتی تھیں، ان کی بچی یہ حرکت دیکھ کر کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔ بس اگر وہ کچھ سمجھ سکی تو صرف یہ کہ جب آسمان پر ایک مخصوص طرح کی روشنی ہوتی ہے اور زور کی آواز پیدا ہوتی ہے تو اس کی ماں چیخ مار کر بھاگتی ہے اور کمرے وغیرہ میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے، اس لئے وہ بھی یہی کرتی رہی اور جس طرح ماں کے دل میں بجلی کی کڑک سے خوف تھا اسی طرح اس کے اندر بھی خوف پیدا ہوگیا۔

مگر اس بچی میں جو یہ خوف پیدا ہو گیا، پہلے سے تو تھا نہیں۔ اس مخصوص چیز کی طرف سے خوف پیدا کرنے کی ذمہ دار صرف اس کی ماں تھی۔ یہی حال بالکل اس عورت کا بھی ہے جس کا میں ابھی تذکرہ کر رہا تھا اور جس کی نرالی طبیعت پر محفل میں ہر اک انگلی اٹھاتا ہے۔

لیکن اس بات کو بھی اچھی طرح دھیان میں رکھیے کہ آپ جذبات کو بچے سے الگ نہیں کر سکتی ہیں۔ جو عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ان کے بچے میں خوف کا مادہ ہی نہیں ہے یا وہ غصہ لیکر پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ وہ غلط کہتی ہیں۔ بھلا یہ بھی کہیں ہو سکتا ہے کہ بچہ اپنی پسند یا ناپسند سے محروم ہو جائے؟ اگر یہ چیزیں ایک بچے کے اندر سے ناپید ہو جائیں تو وہ بچہ یا تو زندہ نہ رہے گا یا پاگل ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جذبات انسان کے اندر اس لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ اپنا ایک مخصوص مزاج بنا سکے۔ وہ کچھ چیزوں کو پسند کر سکے۔ اور اس پسند کی وجہ سے اس کو اپنا سکے۔ اس میں کسی چیز کی طرف سے خوف پیدا ہو، اور وہ اس سے بچ سکے۔ اگر وہ ایسا کرنا چھوڑ دے تو اس کی زندگی اجیرن ہو جائے۔

اس لیے جذبات کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے ہیں، بلکہ صرف یہ کہ آپ کی تربیت اُن کو زیادہ ابھرنے یا کم ابھرنے کا موقع دیتی ہے۔

بھوکا بچہ ہمیشہ روتا ہے۔ اس لیے کہ اس کو بھوکا رہنا اچھا نہیں لگتا۔ لیکن اگر ایسے بچے کو روتا ہی چھوڑ دیا جائے، تو وہ یا تو روتا ہی رہے گا یہاں تک کہ آپ جھنجھلا کر اٹھیں اور اسے پیٹ ڈالیں، یا پھر وہ رو دھو کر چپ

ہو جائے گا، یا اپنی بھوک کا کوئی اور علاج کرے گا۔ چوری کر کے یا گری پڑی غلیظ چیزوں کو کھا کر۔

اسی طرح آپ شاید اس ماں کو بھی نہ سراہیں جو اپنے بچے کے غصہ کا تذکرہ ہنس کر اس طرح کرے کہ "اُس کا غصہ تو بالکل اُس کے باپ جیسا ہے"۔ بچے پر اس کا اثر کیا ہوگا؟ یہی نا کہ وہ اس کو اپنی خوبی سمجھے گا اور باپ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔

بہر حال جو بات میں بتانا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ آپ بچے کو جذبات کے اظہار کا اچھا موقع دیں۔ اظہار کا اچھا موقع؟ ——— میرا مطلب ہے کہ اگر اس میں غصہ زیادہ ہے تو سزا دے کر غصہ چھڑانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ جس وقت اس کو غصہ ہو، اسے دوسرے کاموں میں لگا دیں۔ بچوں کے جذبات کو اُن کے کھیل کود میں استعمال کریں۔ انھیں نئی نئی چیزیں اور دستکاری وغیرہ کرنے کا موقع دیں، اُن کو اس طرح مصروف رکھیں کہ ان کا ذہن بے کار نہ رہنے پائے وہ لڑنے جھگڑنے کا موقع نہ پائیں، بلکہ وہ خود بخود ہی اپنے کاموں میں دلچسپی لینے لگیں۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئے گی ——— فی الحال آپ یہ ذہن نشین کرلیں کہ "احتیاط علاج سے بہتر ہے" اس لیے آپ بھی اپنے بچے کے جذبات کے معاملے میں احتیاط سے کام لیں، علاج کا انتظار نہ کریں۔

حسّی نشو و نما

بچوں کی پسند بڑی نرالی ہوتی ہے۔ اتنی نرالی کہ بعض وقت اُن کی سادگی پر ہنسی آتی ہے۔ دیکھیے نا، کبھی تو اُن کی جیبیں لال، پیلے، نیلے شیشوں سے بھری رہتی ہیں، اور کبھی کنکر پتھر سے۔ کبھی وہ لوہے، پیتل اور ٹین وغیرہ کے ٹکڑے جمع کرتے پھرتے ہیں اور کبھی جب دریا کے کنارے پہنچ جاتے ہیں تو سیپیوں کے عجب عجب ٹکڑے جمع کر لاتے ہیں۔ غرض ان کا خزانہ ہمیشہ ہی اتنا عجیب ہوتا ہے کہ اگر وہ آپ کی موجودگی میں کسی غیر کے سامنے پھیلا کر رکھ دیں تو آپ شرم کے مارے پانی پانی ہو جائیں ـــــ مگر وہ ! ـــــ ان کا سینہ تو فخر سے پھول رہا ہوتا ہے۔ وہ تو یہ امید کر رہے ہوتے ہیں کہ دیکھنے والا اُن کی ان چیزوں کی بے انتہا تعریف کرے گا۔

اگر آپ کو یہ دیکھنا ہو کہ لوگ بچوں کی پسند سے کیوں عاجز آتے ہیں، تو کسی میلے یا بازار میں دیکھیے کھلونے بنانے والے طرح طرح کی شوخ اور بھڑکیلی چیزیں بنا کر لاتے ہیں، اور بچے ان کو دیکھ کر لپک پڑتے ہیں، مگر اُن کے سرپرست یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ تو پیسے کا پھینکنا ہے۔ اس ناقص سے کاغذ کے چونگلے میں کیا ہے، عجب بھونڈے سے رنگ میں رنگ دیا گیا ہے۔ بس اس خیال کے آتے ہی وہ اپنے پیسے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بچہ مچلنے لگتا ہے، جگہ جگہ پر، قدم قدم پر آپ کو ایسے بچے مچلتے ہوئے نظر آئیں گے جن کے سرپرست بچے کی پسند پر اپنی پسند کو مسلط کر رہے ہوتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟

انھیں بچے کے اپنے احساسات کا خیال نہیں ہوتا۔ انہیں یہ گمان ہوتا ہے کہ جتنی اچھی طرح وہ چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں، پرکھ سکتے ہیں، سونگھ سکتے ہیں چکھ سکتے ہیں، چھو سکتے ہیں، وہ بچہ کیا، کوئی اور دنیا میں کر ہی نہیں سکتا اگر ایسا ہے تو پھر ان حضرات کو نمائش میں رکھنا چاہیے۔ دنیا میں یہی ایسی ہستی ہیں جن میں کوئی خامی نہیں ہے۔ کہیئے آپکی کیا رائے ہے ان کے بارے میں۔؟

دیکھیے، ہر شخص میں اپنے احساسات ہوتے ہیں، علاوہ اس کے کہ وہ قدرت کی طرف سے محروم کر دیا گیا ہو، اور یہ احساسات ہیں پانچ۔

- دیکھنے کا احساس
- چکھنے کا احساس
- سونگھنے کا احساس
- چھونے کا احساس
- سُننے کا احساس

بچے میں بھی یہ سارے احساسات موجود ہوتے ہیں۔ ہر صحت مند بچہ دیکھ سکتا ہے، سن سکتا ہے، چکھ سکتا ہے، سونگھ سکتا ہے۔ اور وہ چھو سکتا ہے، وہ لال، پیلے، نیلے رنگ دیکھ سکتا ہے اور جب اسے ایسے پیارے پیارے رنگ دکھائی دیتے ہیں تو وہ ان کی طرف لپکتا ہے۔ خواہ وہ کاغذ کے ٹکڑے کا رنگ ہو یا کانچ کا ٹکڑا وہ طرح طرح کی آوازیں سن سکتا ہے، خواہ وہ خالی ٹین کو پیٹ کر بے ہنگم شور پیدا کر کے ہی کیوں نہ سُنے۔ وہ ہر قسم کی چیز چکھ سکتا ہے خواہ وہ مٹی

کا ڈھیلا ہی اٹھا کر منہ میں کیوں نہ رکھ لے۔ اور وہ اپنے چھونے کے احساس کو آزمانے کے لیے آگ کے انگارے کی طرف بھی لپکتا ہے۔ اور اگر آپ اُسے گلاب کا پھول دیجئے تو وہ اُسے بھی بڑے شوق سے سونگھتا رہے گا۔

بعض اوقات تو وہ گلاب کا سُرخ سُرخ پھول دیکھتا ہے۔ دیکھتے ہی اس کی طرف لپکتا ہے، اُسے ہاتھ میں اُٹھا لیتا ہے۔ مٹھی میں دباتا ہے۔ پھر ناک تک لے جاتا ہے، اور منہ میں رکھ لیتا ہے۔

خاص طور سے وہ ہر چیز کو چکھنے کی ضرور کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب آپ اس کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتی ہیں تو فوراً چیخ پڑتی ہیں بڑا غلیظ ہے، کسی چیز کی تمیز نہیں! ــــ لیکن محترمہ! وہ تمیز حاصل کرنے کے لیے ہی تو یہ سب کچھ کر رہا ہے۔

اگر بچوں کے احساسات میں یونہی بے جا دخل دیا جاتا رہے تو آپ دیکھیں گی کہ وہ پھر اپنے ان پانچوں احساسات پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں گے۔ بس ہر وقت وہ یہ چاہیں گے کہ کوئی اُن کو یہ بتلائے کہ اس چیز کا مزہ اچھا ہے اس چیز کا بُرا ہے۔ یہ خوشبو اچھی ہے اور یہ بدبو ہے ــــ یقین کیجئے ایسا ہی ہوتا ہے۔ آپ نے بہت سے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ بہت گندے رہتے ہیں ان کو غلاظت اور نفاست کی تمیز تو دس سال کی عمر تک نہیں ہو پاتی۔ آخر کیوں؟ ــــ اسی وجہ سے کہ اوّل تو اُن کے اپنے احساسات کو آزمانے کا اتنا موقع نہیں ملا ہے کہ وہ خود کچھ فیصلہ کر سکیں۔ دوسرے یہ کہ دوسروں کی پسند ناپسند ہمیشہ اُن کی گردن پر سوار رہی ہے۔

اکثر مائیں اپنے بچوں کو شروع میں جا و بے جا اپنی پسند کی رنگ برنگی چیزیں جمع کرنے سے منع نہیں کیا کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کرتی ہیں کہ بچے سے پوچھا کرتی ہیں کہ وہ سرخ کانچ کا ٹکڑا اُن کو کیوں پسند آیا ؟۔ اب جب وہ بتلاتے ہیں کہ اُس میں سے اُن کو ہر چیز سُرخ نظر آتی ہیں تو وہ اُن کے لیے ویسے ہی صاف ستھرے خوبصورتی سے ترشے ہوئے شیشے فراہم کر دیتی ہیں۔ جب وہ ایک بھونڈا سا کھلونا پسند کرلاتے ہیں تو وہ ان کے لیے ویسا ہی بہتر قسم کا کھلونا فراہم کر دیتی ہیں۔ غرض وہ ان کے ابتدائی ناقص احساسات کو تربیت دے کر پاکیزہ بناتی ہیں۔

اس سے پہلے میں آپ سے جذبات کے بارے میں تبادلۂ خیال کر چکا ہوں یہاں میں اشارہ کر دوں کہ جذبات اور احساسات کا آپس میں بڑا قریبی تعلق ہوتا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اگر آپ بچے کو اپنے احساسات کے پرکھنے کا موقع نہ دیں گی تو وہ جذباتی طور پر چڑچڑا اور بد دماغ ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ احساسات جتنے ہی اعلیٰ ہوں گے، جذبات اُتنے ہی اچھے ہوں گے۔

آپ غور سے اُن لوگوں کا جائزہ لیجئے جو غصہ کرنے والے، ڈرپوک اور بد مزاج ہوتے ہیں۔ اُن میں بڑی تنگ نظری ہوتی ہے۔ یہ جس چیز کو پسند کرتے ہیں بس اس پر کسی اور کی پسند کو ترجیح نہیں دیتے ہیں۔ اور پھر ان کی پسند؟ بس کچھ نہ پوچھیے!۔

برخلاف اس کے کچھ لوگوں کی پسند پاکیزہ ہوتی ہے، وہ بڑے فراخ دل اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔ وہ جب کسی چیز کو پسند کرتے ہیں تو اس کے ہر پہلو

کو پرکھ لیتے ہیں اور ان کی نظر دھوکہ کم ہی کھاتی ہے۔ پھر ان میں یہی کیا کم خوبی ہے کہ وہ اپنے احساسات کے پاکیزہ ہونے کی وجہ سے ہر شخص کے لیے پسندیدہ مزاج رکھتے ہیں۔

احساسات بچے کے لیے اخلاقی، صنعتی اور ذہنی، بلکہ ہر موقع پر کام آنے والی صلاحیت کا سرمایہ ہیں، اس لیے اُن کا بہتر بن طور پر نشو و نما پانا بہت ضروری ہے،

نبی کریمؐ کے احساسات کتنے اعلیٰ تھے، آپ اس سے ہی اندازہ کر سکتی ہیں کہ وہ صاف رہنے کی تلقین کرتے تھے، خوشبو پسند فرماتے تھے۔ ایک بار مسجد میں کسی نے دیوار پر تھوک دیا۔ آپؐ کا چہرہ ناپسندیدگی کی وجہ سے سُرخ ہو گیا۔ ایک صحابیؓ بات کو تاڑ گئے، انھوں نے دیوار کے اس حصّہ کو کھُرچ کر عطر لگا دیا۔ تب آپ کا چہرہ بشاش ہو گیا۔

بول چال کی نشو و نُما

بچے کے اشارے بڑے پیارے ہوتے ہیں، جب اس کی بھوک مِٹ جاتی ہے تو وہ کتنی پیاری لے میں غوں غاں کرنے لگتا ہے۔ اور اسی طرح جب وہ کوئی چمکدار چیز دیکھتا ہے یا اس کو کوئی بڑی رنگین سی چیز نظر آتی ہے (مثلاً جھنجھنا یا کھلونا) تب بھی وہ اسی طرح کی بے معنیٰ آواز سے اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے لیکن اگر وہ بول سکتا تو ان آوازوں کو پیدا کرنے کے بجائے کسی اور طرح اپنی خوشی یا غم، یا پسند اور ناپسند کا اظہار کرتا۔

کتنی معمولی سی بات ہے یہ، لیکن عام طور سے ہمارا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ یہ بے معنی آوازیں بچے کی کوششیں ہیں بول چال سیکھنے کے لیے۔ جی ہاں! یہ تو خیر ہم اکثر ہی کہہ دیتے ہیں کہ میرا بچہ باتیں کر رہا ہے۔ لیکن کیا واقعی اس کی غوں غاں کو ہم اس کی باتیں سمجھتے ہیں؟ —— ہو سکتا ہے ایسا ہی سمجھتے ہوں، لیکن کبھی اس طرف توجہ نہیں دیتے، اس کی ان آوازوں پر توجہ دے کر ہم اس کی ضرورت تو پوری کر دیتے ہیں، مگر پھر بھی اس کی بول چال کا حق ادا نہیں کرتے۔ دیکھیے میں بات کو الجھانے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اس طرف اشارہ کر رہا ہوں کہ ہم بچے کی اس طرح کی آوازوں پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں دیتے، بلکہ جس طرح بچہ مداری کی ڈگڈگی سن کر خوشی سے اچھلنے لگتا ہے اور تالیاں پیٹنے لگتا ہے، اسی طرح ہم بھی اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اور اس خوشی میں ہم اس کے ساتھ بڑا ظلم کرتے ہیں۔ جی ہاں۔! ظلم! —— اور ان ظلموں میں سے بڑے بڑے ظلم یہ ہیں:۔

- —— اس کے ساتھ بے تکی بکواس کرتے ہیں۔
- —— اس کو گالیاں سنا کر گالیاں سکھلاتے ہیں۔
- —— اس کو توتلی زبان سکھلاتے ہیں۔
- —— جب وہ توتلا ہو جاتا ہے تو اسے ڈانٹ ڈپٹ کر اکثر ہکلا
- —— بناتے ہیں۔
- —— جب وہ خراب بولی بولنے والوں کی نقل کرتا ہے تو اس کو اس سے منع نہ کر کے اسے خود بھی ویسا ہی بنا دیتے ہیں۔

جس بچے کی بول چال کے معاملے میں یہ بد احتیاطی کی جائے گی وہ یقیناً زبان کا خراب ہی ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے درمیان مشکل ہی سے ایسے بچے پائے جاتے ہیں جن کی زبان بچپن میں درست رہی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ آیئے ہم اس طرح معلوم کریں کہ ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا چلے کہ وہ شروع دن سے کیونکر زبان سیکھنا شروع کرتا ہے؟

بچّہ اپنی بارہ مہینے کی عمر تک منہ سے آوازیں نکالنے میں بڑی دل چسپی لیتا ہے۔ کبھی ایک طرح کی آوازیں نکالتا ہے، کبھی دوسری طرح کی۔ اور اس طرح وہ کئی قسم کی آوازیں نکالنے لگ جاتا ہے۔ اس کی بعض آوازوں کو تو سُن کر آپ اس کی ضرورتیں پوری کر دیتی ہیں، اور بعض آوازوں کو سُن کر آپ بڑی خوشی محسوس کرتی ہیں اور اس کے ساتھ کھیلنے لگ جاتی ہیں۔ یہی دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ بعض آوازوں کو اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے، اور ضرورت پڑنے پر اُن ہی کو استعمال کرتا ہے۔ یہ آوازیں شروع میں تو وہ بالکل اتفاق سے ہی نکالتا ہے۔ لیکن جب دیکھتا ہے کہ وہ ان کے ذریعہ اپنا اچھا خاصا کام نکال لیتا ہے، تو وہ جس آواز سے جو کام نکالتا ہے اس کو اس چیز کا نام قرار دے دیتا ہے۔ مثلاً مم، لوتی، ابّو، چیجی وغیرہ سے پانی، روٹی، کھانا، مٹھائی وغیرہ مراد لیتا ہے۔ اس زمانہ میں اگر آپ بھی اس کے ساتھ مم، ابّو وغیرہ نہ بولنے لگ جائیں، بلکہ پانی اور کھانا ہی کہتی رہیں، تو وہ آپ کی سی آواز نکالنے کی کوشش کرے گا، ورنہ مم، ابّو ہی اس کی بولی ہو جائے گی۔

اس کے بعد بچہ اٹھارہ ماہ کی عمر تک ایک ایک دو۲ دو۲ لفظوں کو ملا کر جملے بنانے لگتا ہے، اور پہلے کی بہ نسبت بڑی جلدی چیزوں وغیرہ کے نام سیکھنے لگ جاتا ہے۔ اب اس کو ایک چیز کے دیکھنے کے بعد اس کا نام معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور جب وہ نام معلوم کر لیتا ہے تو ذرا مشکل سے بھولتا ہے۔ آپ اس زمانہ میں اگر چاہیں تو اس کو بہت کم عرصہ میں بہت کچھ سکھا سکتی ہیں۔ اس کو چیز دکھایئے، اور پھر اُن کے نام بتایئے، وہ ان ناموں کو یاد رکھنے کی پوری کوشش کرے گا۔ مگر سُنیئے! ـــــ اُس زمانے میں آپ اس کو اپنی سلائی کی مشین کے پُرزوں کے نام خدا کے واسطے نہ سکھلانے لگیے گا ورنہ غضب ہی ہو جائے گا۔ اچھا خیر سلائی کی مشین نہ سہی تو کسی اور ایسی چیز سے اس کو ابھی واقف کرانے کی ضرورت نہیں ہے، جس میں بچے کو کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس کی اپنی پسند اور دلچسپی کی چیزوں کے نام اس کو بتایئے۔ جب بچہ کچھ چیزوں کے نام جان جاتا ہے تو وہ اُن کے لیئے اشارے کرنے کے بجائے اُن ناموں کو استعمال کرنے لگتا ہے اور آپ کے لیے اس کی باتوں کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس زمانہ میں آپکو ان دو باتوں کی احتیاط خاص طور سے رکھنا پڑیگی پہلی یہ کہ آپ اس کو توتلی زبان میں کسی چیز کا نام نہ بتائیں ورنہ وہ توتلا ہو جائیگا اور دوسرے یہ کہ اسکے کانوں میں گالیوں اور فحش لفظوں کو نہ پڑنے دیں کیونکہ اس زمانہ میں اسکو سیکھنے کا جو شوق ہوتا ہے وہ بڑی جلدی یہ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ اکثر مائیں جب اپنے بچوں کی توتلی زبان سے گالیاں سنتی ہیں تو اُن کو بڑا لطف آتا ہے وہ اسے بار بار کہنے پر اکساتی ہیں اور اس طرح وہ اُن کا دل خوش کرنے کے واسطے اور اپنے لیے اُن کا پیار حاصل کرنے کیواسطے

بھی گالیاں ہی سیکھنا شروع کر دیتا ہے، اور وہ یہ سب کتنی جلد سیکھ جاتا ہے، اپنے ایک چشم دید واقعہ کے ذریعہ آپ پر واضح کرتا ہوں۔

میں ایک دن ایک سڑک پر سے گزر رہا تھا، دو بچے آپس میں جھگڑ رہے تھے اور ایک دوسرے کو مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان دونوں میں سے ایک بچہ نے اپنے کو کمزور محسوس کیا۔ چنانچہ اس نے دوسرے بچہ کو ماں کی گالی دی اور بھاگ گیا۔ پاس ہی سے ایک تین چار سال کی بچی گزر رہی تھی اس کے کانوں میں یہ گالی پڑی اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی توتلی زبان میں اس گالی کو گانے لگی۔ بالکل جیسے وہ بھی کوئی فلمی گانا ہو ——— اور فلمی گانے کون سے فحش گالیوں سے کم ہوتے ہیں؟

غرض ایسی زبان سے بچے کو بچائیے۔ کیونکہ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس چیز سے انتہائی نفرت کی ہے اور اسے منافقوں کی ایک پہچان میں سے گردانا ہے۔ ملاحظہ ہو وہ حدیث یہ ہے۔

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں کی ایک خصلت ہوگی تو وہ بھی منافق ہی کی خصلت ہے۔ جب تک اس کو چھوڑ نہ دے۔ علامتیں یہی ہیں جب بات کہے جھوٹ کہے، وعدہ کرے وفا نہ کرے، امانت میں خیانت کرے اور جب لڑے تو گالی دے۔"

(مسلم، بخاری)

رہ گیا یہ کہ منافق کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا انجام ہوگا؟ تو صرف یہی ذہن میں محفوظ کر لینا کافی ہے کہ وہ دوزخ کا کندہ بنے گا، اور اس کے لئے ہم اپنے عزیز کیا دشمنوں کے واسطے بھی تمنا نہ کریں گے۔ ہماری خواہش تو یہی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ہدایت دے اور راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس لیے آپ اپنے بچے کو اللہ تعالیٰ کے دین اور اس سے متعلق پاکیزہ امور کے بارے میں واقف کرائیے۔ اس کو ایسے نام سکھائیے، اور چیزوں کی شناخت کرائیے جو اس کی اخلاقی اصلاح کے لیے مفید اور مددگار ہوں۔ آپ کا یہ عمل اس کے لئے اس وقت اور بھی مفید ہوگا جب وہ دو دو تین تین حروف کے جملے بنانا شروع کر دے گا، اور ان سے اپنی کسی نہ کسی خواہش اور ضرورت کو وابستہ کر دے گا۔ وہ اب آپ سے کہنے لگے گا" مم پییں" "لوٹی کھائیں" "چیچی لاؤ" وغیرہ وغیرہ آپ اس کی بہت کچھ باتیں سمجھنے لگیں گی۔ وہ کیا چاہتا ہے۔ آپ یہ بھی جاننے لگیں گی، اور اکثر جب آپ اپنی مرضی کے جملے اس سے کہلانا چاہیں گی تو وہ آپ کی خوشی کے لیے اور آپ کا پیار حاصل کرنے کے لیے انھیں بھی ادا کرنے لگے گا۔ ایسے زمانہ میں آپ کی مرضی کیا ہونی چاہیے؟ وہی جو ہم سب کے خالق و مربی کی مرضی ہے! اس لیے آپ اس کی بول چال کی قوت میں اضافہ کرنے کے لیے اس اعلیٰ و افضل مربی کی مرضی کا خیال رکھیں۔

اس کی یہ تربیت آپ کس عمر میں کر رہی ہوتی ہیں؟ ــــــ جبکہ وہ اٹھارہ ماہ سے لے کر دو سال تک کا عرصہ طے کر رہا ہوتا ہے۔ اور جب اس کے الفاظ اتنے صاف نہیں ہوتے ہیں جتنے آیندہ دو سال سے لے کر ڈھائی

سال تک کی عمر میں ہوتے ہیں۔ اب وہ پہلے کے مقابلہ میں زیادہ صاف بولنے لگتا ہے۔ لیکن اس کی بولی اتنی صاف نہیں ہوتی ہے کہ ہر ایک آسانی کیساتھ سمجھ لے۔ بلکہ اس کے قریبی عزیز جن سے اس کا رات دن کا سابقہ رہتا ہے۔ وہی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں وہ پہلے کے مقابلہ میں اور بھی کچھ زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ہر بات پر سوال کرتا ہے ـــــ وہ "کیوں ـــــ"؟ "کیا ـــــ"؟ اور کیسے ـــــ"؟ کی بھرمار کر دیتا ہے ـــــ آپ اس سے کہتی ہیں "کپڑے پہن لو" اور وہ سوال کرتا ہے "کیوں؟" آپ کہتی ہیں۔ "تم ننگے ہو" اور وہ پھر پوچھتا ہے "کیوں؟" آپ پھر اس کو سمجھانا چاہتی ہیں اور کہتی ہیں "دیکھو یہ نئی قمیص کتنی اچھی ہے" اور وہ پھر پوچھتا ہے "کیوں؟" ـــــ آپ کو اس کے یہ سوال بڑے بے تکے لگتے ہیں اور آپ اس کو ڈانٹ دیتی ہیں یا پھر مار دیتی ہیں۔ لیکن کیا یہ صحیح طریقہ ہوا اس کے سوالوں کے جواب دینے کا؟ آپ کو تو اس کے ہر سوال کا جواب دینا چاہیئے تھا، اور اس کو مطمئن کر دینا چاہیئے تھا۔ اگر آپ اس کی عمر کے اس زمانہ میں رکاوٹ پیدا کریں گی تو وہ نہ تو جلد بولنا سیکھ سکے گا اور نہ ہی اپنی معلومات میں اضافہ کر سکے گا۔ بس بالکل بدھو ہو کر رہ جائے گا۔

یہ وجہ معلوم کرنے کا شوق اور یہ "کیوں" کی بھرمار اس آئندہ ڈھائی سال میں اور بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اب وہ چیزوں کے نام سیکھ چکا ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے جملے بول کر اپنا کام چلانا جان چکا ہوتا ہے، اور اب اس

کے لیے جو بات باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ اپنی سمجھ بوجھ میں اضافہ کرے اور اس اضافہ کے لیے وہ سوالات کرکے اپنی کمی کو پورا کرنے لگتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ اگر اس کے سوالات کے پورے پورے ٹھیک ٹھیک جواب نہ دیئے جائیں گے تو اس کی سمجھ بوجھ میں بھی اضافہ نہ ہو سکے گا۔ اس زمانہ میں بچہ کہانیوں، قصوں اور واقعات میں بڑی دلچسپی لیتا ہے۔ اگر اس کو نبیوں، صحابیوں اور ایسی ہی دوسری معزز ہستیوں کے واقعات و حالات بتائے جائیں، اور اخلاقی اور اصلاحی قصے سنائے جائیں تو وہ زبان، تجربہ اور دلچسپی کے ساتھ صحیح سمجھ بوجھ بھی پیدا کر سکے گا۔

بچہ اکثر بول چال سیکھتے سیکھتے، اپنے اسی مقام پر رک جاتا ہے جس پر وہ ایک عرصہ سے رہا ہوتا ہے۔ مثلاً وہ تین چار سال کی عمر کے بعد کچھ زیادہ صاف نہیں بول سکتا، اور ماں باپ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ پھر کسی سے خراب زبان سیکھ آیا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ اس زمانہ میں وہ اپنے پرانے خزانے کو محفوظ کر رہا ہوتا ہے۔ وہ اب تک جو کچھ سیکھ چکا ہوتا ہے اس کو یاد کر رہا ہوتا ہے، اس لیے اس زمانے میں بولنے، بات کرنے میں اس کی دلچسپی کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ اس سے مایوس نہیں ہو جانا چاہیئے ورنہ وہ بھی اکتا جائے گا اور جتنا کچھ وہ سیکھ چکا ہے اسی پر بھروسہ کر لے گا۔

بول چال سیکھنے کے بارے میں ایک بات مجھ کو یہ اور کہنی ہے کہ آپ جہاں اس کی صاف ستھری بولی کا خیال رکھیں وہاں صالح تعلیم کا بھی خاص

خیال رکھیں۔ اس کے سامنے ایسی زبان کا نمونہ پیش کریں جو ایسی ہو کہ اگر بچہ اس کو سیکھ جائے تو بعد میں آپ کو سختی کے ساتھ اُس کو چھڑانا پڑے، اچھے والدین اس پر بڑا دھیان رکھتے ہیں۔ مولانا ابوالاعلیٰ کے والد انھیں کبھی غلط جملے نہ بولنے دیتے تھے، اور ہمیشہ صحیح لفظ ادا کرنے پر اکساتے تھے۔ شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ آج وہ بڑی سادہ اور صاف بول چال کی زبان کے عادی ہیں اور اپنی دانست میں غلط زبان نہیں بولتے۔

جنسی نشو ونما

جب آپ کا بچہ آپ سے سوال کرتا ہے" میں لڑکا کیوں ہوں؟" یا "اچھی لڑکی کیوں ہے؟" یا یہ کہ "میں کیسے پیدا ہوا؟" تو آپ اس کو یہ حقیقت کھل کر بتانے میں بڑی رکاوٹ محسوس کرتی ہیں، اور عجب الجھن میں پھنس جاتی ہیں۔ اگر آپ اس کو سب کچھ من وعن بتا دیتی ہیں تو وہ بڑی خراب باتیں جان جاتا ہے اور اگر آپ نہیں بتاتی ہیں تو وہ ہر دو چار دن کے وقفہ کے بعد پھر یہی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس سے قبل میں بیان کر چکا ہوں کہ بچہ جس چیز کو بھی دیکھتا ہے اُس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ کیوں ہے اور کس لیے ہے اور کیسے ہے؟ یہی تلاش و جستجو اس موقع پر بھی اپنا کام کرتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ "اچھی" کے تو لمبے بال رکھے جاتے ہیں مگر اس کے بالوں کو نائی

سے کترِوا دیا جاتا ہے۔" اچھی" کو گڑیاں کھیلنے کے لیے دی جاتی ہیں اور وہ جب گھروندے کے پاس جاتا ہے تو اُس کا مذاق اُڑایا جاتا ہے"۔ ارے کیا تو لڑکی ہے؟" اور پھر جب کوئی بات آتی ہے تو اُس سے کہا جاتا ہے"۔ لڑکے ایسا نہیں کرتے، یہ تو لڑکیوں کے کام ہیں"۔ ایسی باتوں کو سُن کر وہ خود عجب الجھن میں پھنس جاتا ہے کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ آخر وہ لڑکا کیوں ہے؟ اور" اچھی" لڑکی کیوں ہے؟ ــــــ اور جب اس کے ختنہ کا ذکر آتا ہے یا جب اس کا ختنہ ہوتا ہے اور اس تکلیف سے وہ دوچار ہوتا ہے تو یہی گمان کرتا ہے کہ" اچھی" کو بھی اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب اس کی نظر اس حقیقت کو کھول کر رکھ دیتی ہے کہ اس کے لیے ایسی کوئی ضرورت نہیں تو وہ ایک اور الجھن میں پھنس جاتا ہے اور آخر وہ آپ سے پوچھ ہی بیٹھتا ہے"۔ امی!.....؟" اور آپ بڑی جز بز ہو جاتی ہیں"۔ بہت عادتیں خراب ہو گئی ہیں اس لڑکے کی!۔ معلوم ہوتا ہے یہ بُرے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے لگا ہے؟" حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی بنا پر اس کے لیے ایسے سوالات پوچھنا لازمی ہے اور اگر وہ نہیں پوچھتا تو وہ یا تو غور و فکر نہیں کر رہا ہے یا آپ کے غضب سے خائف ہے۔ بہرحال یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جس کا تقریباً ہر ماں کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن عام طور سے اپنی شرم کا اس قدر مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ بچہ بجائے اپنی الجھن سے نجات پانے کے اور بھی زیادہ الجھاؤ میں پڑ جاتا ہے، اور پھر وہ غلط طریقوں سے اپنی الجھنوں کو رفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہیں سے بچہ بگڑ جاتا ہے۔

مگر آپ اپنے بچّہ کو بگاڑنا نہیں چاہتی ہیں۔ اس لئے آپ کے لیے تو یہ الجھن اور پیدا ہوگئی کہ اس کے ان سوالوں کا جواب کیونکر دیا جائے ؟ اور اگر دیا جائے تو کیونکر اسے ان حقیقتوں کے علم سے محفوظ رکھا جائے جن کی اس کو اس زمانہ میں ضرورت نہیں ہے۔

ہمارے یہاں ـــــ یعنی ہندوستانی گھرانوں میں ـــــ بچے کو جس طرح ان حقیقتوں سے آگاہ کیا جاتا ہے وہ کچھ اس طرح کے ہیں :۔

جب وہ ایسے سوال کرے تو اس کو جھڑک دیا جائے یا سزا دی جائے۔

جب وہ ایسے سوال کرے تو غلط سلط جواب دے کر اس کو خاموش کر دیا جائے۔

جب وہ ایسے سوال کرے تو سب کچھ بلا جھجک بتا دیا جائے۔

لیکن غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی طریقہ بھی صحیح نہیں ہے، ان کے ذریعہ تو بچہ اور بھی زیادہ خراب ہو جائے گا۔ اس میں برائی اور بھی زیادہ جڑ پکڑے گی، اور وہ آخر کار ایک لچّہ اور شہدہ بن کر رہ جائے گا، جس کے لئے شاید کوئی ماں تیار نہ ہو۔ مگر وہ بے چاری اپنی لاعلمی میں یہی غلطی اور کوتاہی کرتی ہیں۔ فرض کیجئے اگر بچہ اتنا زیادہ خراب نہ بھی ہونے پائے تو بھی اس میں کم از کم اتنی خرابی تو ضرور پیدا ہو جائے گی کہ وہ جنسی معاملات میں بے انتہا دلچسپی لینے لگے گا اور اپنے شباب کے زمانہ میں وہی گناہ گاری سیکھ لے گا جو آج کل بے حد عام اور ہر طبقہ کے گھرانوں میں رائج ہے لیکن ہماری آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب ایسا سانحہ پیش آجاتا ہے۔

اور پھر ہم کف افسوس ملتے ہیں۔ مگر اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے؟ اس کا وقت تو وہی تھا جب اس نے جنس کے بارے میں ایسے سوالات پوچھنے شروع کردیئے تھے۔

بہرحال ایسے واقعات کو دھیان میں رکھ کر آیئے ہم دیکھیں کہ ان تینوں طریقوں میں سے کسی بھی ایک طریقہ کو کیوں نہیں اختیار کرسکتے۔

آپ کے دل میں جب کسی چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنیکا اشتیاق ہوتا ہے اور آپ کو جھڑک دیا جاتا ہے تو آپ کا اشتیاق ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ آپ اس کے بارے میں معلوم کرنے کے دوسرے ذرائع اختیار کرتی ہیں اور معلوم کرکے ہی چھوڑتی ہیں۔ مثلاً آپ کے شوہر کے نام کوئی خط آتا ہے آپ پوچھتی ہیں "کہاں سے آیا ہے؟" اور وہ جھڑک دیتے ہیں۔ "تم سے مطلب؟" آپ کو اس جواب پر بڑا غصہ آتا ہے۔ آخر آپ نے کون سی خطا کی تھی؟ اور ہاں، آخر یہ راز کیا ہے جو آپ کو بھی تاریکی میں رکھا جارہا ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنے آفس بکس میں اسے مقفل کرکے چلے جاتے ہیں تو آپ دوسری کنجی لگا کر اسے نکال لیتی ہیں خوب اچھی طرح پڑھتی ہیں اور اسی طرح مقفل کرکے رکھ دیتی ہیں، اور اپنے کام میں لگ جاتی ہیں۔ خط میں کوئی ایسی بات تو نہ تھی، معلوم نہیں کیا دماغ میں آگیا جو ذرا سے سوال پر چڑ گئے۔ اگر پہلے ہی بتادیا ہوتا تو آپ کو یہ حرکت کیوں کرنی پڑتی؟ مگر کیا کیا جائے اُن کے جھڑک دینے سے آپ کو ایسا کرنا ہی پڑا۔

بالکل یہی کیفیت اس بچے کی ہوجاتی ہے جس کو آپ اس کے سوالوں

پر جھڑک دیتی ہیں یا سزا دیتی ہیں۔ اُس کے ذہن میں سب سے پہلے تو یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ یہ کوئی جُرم ہے جو اس سے چھپایا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ معلوم نہیں اس میں کیا راز ہوگا جو اس سے چھپایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس خط کے معاملے میں آپ کو جتنے کچھ جُرم کرنے پڑے تھے وہی وہ بھی کرتا ہے۔ وہ دوسرے بُرے لوگوں سے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے بُرے لڑکوں سے طرح طرح کی ناز یبا حرکتیں سیکھ لیتا ہے اور کجروی اس کے اندر پرورش پانے لگتی ہے۔

اسی اندیشہ کی بنا پر کچھ لوگوں نے نہ معلوم کیوں یہ سوچ لیا ہے کہ اگر بچے کو غلط سلط جواب دے دیئے جائیں تو وہ مطمئن ہو جائے گا۔ اور پھر جب بڑا ہوگا تو سب کچھ خود ہی جان جائے گا۔ مثلاً اگر آپ کے شوہر اس خط کے بارے میں کہہ دیتے کہ فلاں دوست کا ہے، خیریت سے آگاہ کیا ہے تو آپ کو پھر چُرا کر اسے پڑھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ لیکن اگر کسی دوسرے وقت آپ کی نظر اس خط پر پڑ جاتی اور آپ کو معلوم ہوتا کہ خط تو کہیں اور ہی سے آیا تھا، اور تھا بھی کسی اور معاملے کے بارے میں، آپ کو بلا وجہ دھوکے میں رکھا گیا تھا۔ اب آپ کم از کم خط کے معاملے میں ان کا اعتبار کرنا چھوڑ دیں گی۔ اور جب بھی کوئی خط آئے گا تو خود دیکھنے کی کوشش کریں گی۔ یہی حال اس بچے کا ہوتا ہے جس کو بے بنیاد باتیں بنائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ پوچھتا ہے "مُنّی کہاں سے آئی؟" اور آپ کہہ دیتی ہیں "دائی لائی تھی"۔ لیکن پھر جب خاندان میں کوئی اور بچہ ہونے والا ہوتا ہے، اور اتفاق سے دائی اس کی

موجودگی ہی میں آتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ وہ تو خالی ہاتھ آئی ہے۔ لیجئے یہیں سے آپ کا اعتبار اٹھ گیا۔ اب وہ خود معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ آخر یہ بچے آکہاں سے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ یہ بھی دوسروں سے جاننے کی کوشش کرے گا کہ ختنہ کیوں ہوتا ہے؟ شادی کیوں ہوتی ہے؟ لڑکی کیا ہے؟ لڑکی لڑکے کیوں اور کیسے ہوتے ہیں؟ پھر اُن کا بھی وہی حشر ہوتا ہے جو اُن بچوں کا ہوتا ہے جنھیں کسی طرح کی معلومات فراہم نہیں کی جاتی ہیں۔

ان دونوں طرح کی خرابیوں سے بچنے کے لیے یورپ کے رہنے والوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بچہ کو جنس کے بارے میں سب کچھ بتا دیا جائے، اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہ رکھا جائے۔ کیونکہ جب وہ سب کچھ جان جائے گا تو اس کی تلاش و جستجو کا اشتیاق ختم ہو جائے گا، اور پھر اُس کے لیئے اس طرح کے سوالات کوئی معنیٰ نہ رکھیں گے، اور نہ ہی ایسا کوئی سوال ان کے ذہن میں اُبھرے گا۔ چنانچہ وہ لوگ جن کا ایمان یورپ پر ہے۔ اور وہ وہاں کی ہر چیز کی نقل کرنے میں اپنی بڑائی سمجھتے ہیں، انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ اب اُن کے بچے خراب نہ ہوں گے مگر آپ روزانہ دیکھتے ہیں کہ جس قدر فحاشی اور آوارگی ان گھرانوں میں بڑھ رہی ہے اتنی شاید ہی کسی اور خاندان اور گھرانے میں ہو۔ ان گھرانوں کے بچے روزانہ اپنی نظروں سے بڑوں کی بے حیائی دیکھتے ہیں، اور وہی کچھ اُن سے سیکھتے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں ریڈیو، سنیما اور ناچ گانے اس میں اور

بھی اضافہ کرتے رہتے ہیں، اور جب جوان ہوجاتے ہیں تو اسی طرح پینگیں بڑھاتے ہیں جس طرح اُن کے والدین نے کیا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ان گھرانوں میں اس کی پرواکس کو ہوتی ہے؟ یہ تو ان کی نظر میں فیشن ہے۔ البتہ اگر اُن کے دل کی بات جاننے کی کوشش کی جائے تو وہ بھی اس تعلیم سے شاکی ہی نظر آئیں گے۔

یورپ میں اس تعلیم کی وجہ تو یہ ہے کہ اُن کے یہاں حیا اور عصمت کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔ ان کے یہاں تو آزادانہ جنسی تعلقات قائم کئے جاتے ہیں، اور زنا اور عُریانی میں کوئی رکاوٹ نہیں محسوس کیجاتی ہے۔ آپ آج بھی بچوں کے لیے وہاں کے انگریزی رسالے اٹھا کر دیکھیے، تو آپ کو کم از کم دو ایک عشق و محبت کی کہانیاں ضرور نظر آجائیں گی۔ اُن کا اثر بچوں کے ذہن پر کیا ہوگا؟ آپ خود سوچ سکتی ہیں۔ البتہ میں یہ اور عرض کردوں کہ اُن کے یہاں اس طرح کی حرکات روزمرّہ کی عادت بن چکی ہیں اور اسی وجہ سے اُن کے یہاں جس قدر آوارگی اور فحاشی پھیل رہی ہے اور اُس کے جتنے بُرے اثرات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ ان کی پریشان حالی کو ظاہر کرتا ہے۔

ہمارے اپنے مقصدِ حیات کے لحاظ سے اتنی بے حیائی اور عصمت فروشی پسندیدہ نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کے بارے میں تنبیہ کی ہے اس سے آپ اندازہ کرسکتی ہیں کہ ہمارے لیے یہ بداحتیاطی کس قدر تباہی کا باعث ہوگی۔

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گروہ میں بے حیائی کی اشاعت ہو، ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے۔ اور آخرت میں بھی۔" (النور۔ آیت ۲)

جنسی تعلیم کے اس طریقہ میں جو سب سے بڑی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ بچہ کے سامنے سب کچھ کھول کر رکھ دیں گی تو اس کا تجسس ختم نہ ہو جائے گا، بلکہ وہ اس سے بھی اگلا قدم اٹھانے کی کوشش کرے گا، اور وہ ہے عملی تجربہ۔ یعنی آپ نے جو کچھ اُسے بتایا ہے وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ آپ کبھی بھی بچے کی حرکات پر غور کر کے دیکھیے کہ بچے کے ہاتھ جتنی بھی نئی چیزیں لگتی ہیں وہ انھیں اچھی طرح آزما کر دیکھ لیتا ہے۔ آپ روزانہ دیکھتی ہیں کہ جب بچے کو نیا کھلونا دیا جاتا ہے تو وہ اس سے بڑی دل چسپی کے ساتھ کھیلتا رہتا ہے۔ اسے رکھتا اٹھاتا ہے، توڑتا پھوڑتا ہے، اور پھر ایک وقت وہ آجاتا ہے جب اس کی طبیعت بھر جاتی ہے اور وہ پھر نئے کھلونے کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ اب دیکھیے کہ وہ کھلونے کے ساتھ عملی دل چسپی کتنی لیتا ہے اور جب ایک کھلونے کے ساتھ اتنی دل چسپی لیتا ہے تو کیا اس گتھی کے بارے میں کچھ نہ کرے گا جو اس کے ذہن میں برقرار رہتی ہے؟ وہ یقیناً اُس کے عملی پہلو سے بے نیاز نہ رہے گا، اور سب کچھ کر گزرے گا۔ چنانچہ جن گھرانوں میں یہ طریقہ رائج ہے وہاں کے بچے اسی وجہ سے خراب ہو جاتے ہیں۔

ان سب خرابیوں سے آگاہ ہونے کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے بچے کے لیے ان میں سے کوئی بھی طریقہ اختیار نہ کریں گی۔ آپ تو یہ چاہیں گی

کہ آپ کا بچہ اس مخصوص الجھن کے سلسلے میں غلط راہ پر نہ پڑ جائے، کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا مستحق ہو جائے گا۔ اور یہ شاید کسی کو بھی پسند نہ ہو۔ اس لیے آپ جنسی معلومات کے سلسلہ میں اس چیز کا خیال رکھیں کہ نہ تو وہ آپ کی طرف سے نا اُمید ہو کر دوسرے غلط ذریعے تلاش کرے، اور نہ آپ ہی اس کو ایسی باتیں بتائیں کہ جب اس کو اصل حقیقت معلوم ہو تو آپ کا اعتماد اٹھ جائے، اور بالکل اسی طرح آپ نہ اس کو اتنا سب کچھ بتا دیں کہ بس اب اس کے لیے عملی پیش قدمی ہی باقی رہ جائے۔

جنسی معاملات میں اس کو معلومات بہم پہنچانے کے لیے آپ جس سب سے بڑے اصول کا خیال رکھیں وہ یہ ہے کہ آپ اس کو صرف اس قدر بتائیں جنسی معلومات کی اس کو ضرورت ہے۔ اس کی وضاحت میں ایک بچّی کی اُلجھن کو بیان کر کے کرتا ہوں:۔

اس بچی کو یہ بتا رکھا تھا کہ اُس کے گھر میں "مُنّی" آندھی کے ساتھ آئی تھی، لیکن یہ صحیح بات تو تھی نہیں، اور جھوٹ بولنے والے کو حافظہ بھی نہیں ہوتا اس لیے ایک اور وقت میں اس سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اُسے نرس لائی تھی۔ اب وہ ان میں سے کس بات کو سچ مانے اور کس بات کو جھوٹ؟ یہ الجھن اُس کے ذہن میں کافی عرصہ تک رہی اور جب تب وہ مُنّی کی آمد کے بارے میں پوچھتی رہی، حُسنِ اتفاق، کہ ایک دن مجھے بھی اس کے ان سوالوں کا سامنا کرنا پڑا، اور میرے لیے بھی یہ بڑا ٹیڑھا مسئلہ بن گیا کہ میں اسے کیسے سمجھاؤں، اور پھر وہ بھی ایک بچّی کو۔ مجھے یکایک خیال آیا کہ

وہ مرغیوں میں بڑی دلچسپی لیتی ہے اور اس نے چوزوں کو انڈے سے نکلتے ہوئے اکثر دیکھا ہے۔ اس لیے میں نے اس سے اس طرح گفتگو کی:۔

"بتاؤ، بھلا، انڈے سے بچہ تو پیدا ہوتے دیکھا ہی ہوگا؟"

اس نے کہا۔ "ہاں، ہاں۔"

"تو بولو، اس میں کیسے بچہ بن گیا؟"

"اللہ میاں نے بنا دیا۔"

"تو پھر منّی کو بھی اللہ میاں نے پیٹ میں بنا دیا۔"

"مگر منّی پیدا کیسے ہوئی؟"

"جس طرح انڈا مرغی سے پیدا ہوگیا۔" میں نے کہا۔

میری گفتگو سے وہ اس قدر تو مطمئن ہوگئی کہ پھر اُس نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا، اور نہ ایسا کوئی سوال اُس کے ذہن میں اٹھتا ہے بہت ممکن ہے کہ میرا یہ طریقہ کامیاب نہ ہو، مگر اتنا ضرور ہے کہ میں نے اپنی حد تک اس کے ذہن کو ان تفصیلات میں جانے سے بچایا ہے جن کی اس کو ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال اگر آپ اس سے بھی بہتر طریقہ سے اس کی الجھن کو دُور کر سکیں تو یہ اس کے حق میں بے حد اچھا ہوگا۔

ہمارے گھرانوں میں جہاں ایک طرف جنس کے معاملے میں تعلیم صحیح نہیں دی جاتی ہے، وہاں اس کے ساتھ چند ایک ایسی حرکتیں کیجاتی ہیں کہ وہ لامحالہ اس طرف تلاش و جستجو کے لیے مائل ہوجاتا ہے۔

• ایک بچہ سے عام طور پر اس طرح چھیڑ چھاڑ کی جاتی تھی کہ اس کے

صنفی عضو کے بارے میں اس سے مذاقاً گفتگو کی جاتی اور وہ بہت چڑھتا پھر اس صنفی عضو کا نام اس کا تکیہ کلام بن گیا۔ جنس کی طرف اس غیر معمولی توجہ نے اُسے اس طرف پیش قدمی کے لیے مجبور کر دیا' نوجوانی میں اُس سے جنس کے معاملہ میں غیر ذمہ دارانہ افعال سرزد ہوئے' اور ایک مرحلہ پر اُسے ایک لڑکی سے شادی کرنی پڑی۔ یہ افسوسناک انجام حالانکہ انتہائی مثال ہے لیکن ہے عبرت انگیز!۔

عام طور سے بچوں کے ساتھ ایسا ہی مذاق کیا جاتا ہے جو اُن کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوتا ہے' گویا ایسے لوگ جانتے بوجھتے اس کے دماغ کو ہر وقت اس طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

بعض گھرانوں میں اس معاملہ میں بھی احتیاط برتی جاتی ہے' مگر وہاں ایک اور کمزوری ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ وہاں دیور' بھاوجوں میں بچوں کی موجودگی میں ایسے ایسے مذاق ہوتے ہیں کہ توبہ بھلی۔ ان لوگوں سے اگر کہا جاتا ہے کہ دیکھیے آپ کی ان حرکتوں کا بچوں پر بُرا اثر پڑے گا' تو وہ صاف جواب دیں گے کہ آپ نے بھی خوب کہا' بھلا بچے ان باتوں کو کیا سمجھیں گے؟!۔ مگر دیکھیے کہیں آپ بھی تو ایسا نہیں سمجھتی ہیں؟ میرا خیال ہے کہ نہیں!۔ کیونکہ میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ بچہ اپنی زبان اور اپنی عادتیں آپ ہی لوگوں سے سیکھتا ہے اس لیے وہ اسوقت بھی نہ چُوکے گا۔

بچوں کو آوارہ بنانے کے لیے آجکل بے انتہا ذرائع موجود ہیں اور

ان میں سب سے زیادہ اثر کرنے والے یہ فلمی گانے اور فلمیں ہیں۔ پھر گندے رسالے اور تصویریں ان میں اور بھی اضافہ کر رہی ہیں۔ میں نے بول چال سیکھنے کے سلسلے میں عرض کیا تھا کہ بچہ اپنی چھوٹی سی ہی عمر میں پہلے ان چیزوں کے معنی مطلب جاننے کی کوشش کرتا ہے جن کو وہ بولنا شروع کرتا ہے۔ پھر آپ ہی کہیے یہ فلمی گانے وغیرہ جن کی وہ ہر وقت رٹ لگاتا رہتا ہے، کیا اس کے معنیٰ مطلب جاننے کی کوشش وہ نہ کرے گا؟

جس شخص کو بھی فلموں، فلمی گانوں، تصویروں اور بازاری رسالوں کا بہت شوق رہا ہوگا۔ اس نے خود اپنے آپ پر اس بات کا تجربہ کیا ہوگا، اور اس بنا پر وہ یقیناً یہ کہہ سکے گا کہ اس کی جنسی زندگی میں ہیجان پیدا کرنے کے لئے یہ کچھ کم نہ تھے، اور ان کی وجہ سے اس نے جو کچھ خمیازہ بھگتا ہے وہ کچھ کم عبرت ناک نہیں ہے۔ اس بنا پر میں اپنے اندر یہ تڑپ رکھتا ہوں کہ کم از کم تمام صالح ماؤں کے بچے اس مغربی فتنہ سے بچ جائیں جو فیشن تو ضرور ہے مگر ایسا جیسے کوئی بے شرم کھسیا کر منھ چڑانے لگے۔

ایک بار میں پھر عرض کردوں کہ جنسی تربیت کی طرف سے بے پروائی آپ کے بچے کو فحاشی اور تباہ کاری کے گڑھے میں گرا دیتی ہے، اس لئے آپ اپنے گھر کو ایسی خامیوں سے پاک کیجئے جو بچے کی جنسی زندگی کو خراب کردے۔

خود اس دن سے خوف کھایئے جب اس سے بے راہ روی کے بدلہ میں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں

ہے، بلکہ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیادیں تک ہلا دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس سے محفوظ رکھے۔

اس موضوع کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک بات اور عرض کردوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ دیکھیے اس پورے بیان میں میں نے کہیں بھی اس بات پر زور نہیں دیا ہے کہ ایسے مسائل کو آپ اپنی طرف سے چھیڑ دیں، بلکہ آپ تو صرف اس وقت اس گتھی کو سلجھائیں جب آپ دیکھیں کہ اب آپ کی امداد کے بغیر مفر نہیں۔ ورنہ بے وقت ایسے تذکروں کو لے کر بیٹھ جانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ زبردستی اس کی توجہ کو اس طرف مبذول کریں گی۔

معاشرتی نشوونما

دن میں جب سورج نکلتا ہے تو اس کی روشنی آپ اپنے کمرے اور کوٹھری میں بھی محسوس کر لیتی ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا کہ آخر یہ کیسے ہوتا ہے؟ بہت ہی آسان سی بات ہے۔ سورج کی کرنیں دیواروں اور زمین پر پڑتی ہیں، ان سے روشنی کا عکس دوسری دیواروں اور چیزوں پر پڑتا ہے۔ پھر وہاں دوبارہ عکس پیدا ہوتا ہے اور اس طرح کرنوں سے کرنیں پیدا ہوتی ہیں، اور سب کچھ منور ہو جاتا ہے۔ آپ اس عکس کو بظاہر محسوس نہیں کر سکتی ہیں۔ دیواروں میں شیشے کی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی، مگر یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے، روشنی پھیلتی رہتی ہے۔ آپ یقین مانیے خود آپ

کے جسم سے آپ کے کپڑوں سے بھی روشنی کا عکس پیدا ہوتا ہے۔ آپ چاہیں گی تو تجربہ بھی کر لیں گی۔ اندھیرے کمرے کے دروازے پر سفید پوشاک پہن کر کھڑی ہو جائیے۔ دیکھیے اندھیرے میں ہلکی سی روشنی پیدا ہو جائیگی۔

بالکل اسی طرح ہماری عام زندگی میں ہمارے رہن سہن، عادات و اطوار اور میل جول کا عکس ایک دوسرے پر پڑتا رہتا ہے۔ ہم ایکدوسرے کی زندگی کے انداز بے ارادہ اختیار کرتے رہتے ہیں، اور ہماری اپنی گھریلو زندگی میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، مگر ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو تقسیم ملک کی وجہ سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے ہیں، ان کو اور جس جگہ وہ پہنچے ہیں وہاں کے لوگوں کو اس کا صحیح تجربہ ہوگا۔ آج کتنی ہی باتوں پر وہ بیٹھ کر سوچتے ہیں تو اچنبھے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ "ہائے یہ تو ہمارے یہاں کبھی نہ ہوتا تھا۔" مگر اب پوشاک میں، کھانے پینے میں، یہاں تک کہ ملنے جلنے میں اور بات چیت میں بھی ایک دوسرے کے اثرات کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

جب ہمارا حال یہ ہے تو بچوں کے بارے میں اندازہ کیجئے، جن کو ہمارے درمیان زندہ رہنا ہے اور زندگی کے لیے ایسے طریقوں کو اختیار کرنا ہے جو انھیں دوسروں کے لئے قابلِ قبول یا پسندیدہ بنا سکیں، انھیں اپنے ماحول میں مرتبہ حاصل ہو سکے اور اپنا مقام پیدا کر سکیں۔

انسان کی تو خصوصیت یہ ہے کہ وہ دوسروں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اور جب دوسروں کے ساتھ زندہ رہنا ہے تو اُن کے دِلوں

میں اپنے لیے جگہ پیدا کرنا ہوگی، کچھ اپنے لیے پابندیاں اختیار کرنی ہونگی، کچھ اپنی صلاحیتوں کو اظہار کا موقع دینا ہوگا۔ اپنے ماحول میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ معاشرہ کے پسندیدہ افعال پر عمل کیا جائے، ورنہ آپ جانتی ہیں، جہاں آپ نے معاشرے کے ان تقاضوں سے بغاوت کی آپ کے لیے پُرامن زندگی گذارنا مشکل ہو جائے گی۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ بھی تو پیدا ہوتا ہے کہ کیا ضروری ہے کہ معاشرے کے پسندیدہ افعال واقعی پسندیدہ ہی ہوں؟ مثلاً مغرب کی عورت مجبور ہے کہ دعوتوں اور ضیافتوں میں وہ غیر مرد کے پہلے میں بیٹھے۔ مغرب کی عورت اگر رقص میں حصہ نہیں لیتی تو وہ غیر مہذب ہے، مگر یہ یقینی بات ہے کہ یہ تہذیبی اصول پست جذبات کی چھچھوری تسکین کے سوا کچھ اور نہیں ہیں، پھر کیسے معاشرے کے پسندیدہ اور انسانی فلاح و بہبود کے اصولوں کا انتخاب کیا جائے؟ میں صاف کیوں نہ عرض کردوں کہ انسان اپنی عقل و فہم سے اس کا فیصلہ کرنے سے معذور ہے۔ وہ اپنے جذبات سے، اُن کی لذّت سے، اور ان کی کشش سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور جب ایسا ہے تو لازماً وہ اکثر مواقع پر اپنی لذّت پرستی کے لئے اپنے فائدے کو بھی قربان کردے گا۔ اس غرض کے لیے تو ایسی ہستی کا سہارا لینا ہوگا جو اگر ایک طرف انسانی جذبات کی کمزوریوں سے پاک ہو تو دوسری طرف انسانیت کی بھلائی بھی اسے عزیز ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایسی ہستی کون ہے؟ ظاہر ہے کہ ہمارے خالق، مالک اور پروردگار کے سوا اور

کون ہوسکتا ہے! وہ ہمارا پیدا کرنے والا ہے۔ اس لیئے وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے محبّت کرے گا، وہ ہمارا مالک ہے اس لئے اپنی ملک کو ضائع نہ ہونے دے گا۔ وہ ہمارا پروردگار ہے اس لئے ہماری پرورش و پرداخت میں ہماری بھلائی ہی کو مدِ نظر رکھے گا۔ ایسی صورت میں معاشرے کے لیئے وہی قوانین اور وہی اصول پسندیدہ ہوں گے جو اس کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ ہمیں سب کچھ اسی کے اصولوں پر جانچنا ہوگا اور جو کچھ اس کسوٹی پر پورا اُترے گا وہی قابلِ قبول ہوگا۔ باقی رہے انسان کے بنائے ہوئے معاشرتی اصول، تو بہت ممکن ہے کہ وہ اچھے بھی ہوں اور بُرے بھی اس لیے ان کی پابندی اور احترام ہم پر فرض نہیں۔

بہر حال ایک متوازن معاشرتی زندگی گذارے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ بچہ اپنی ابتدائی زندگی میں ہی معاشرت کے بہترین اصولوں سے نہ صرف آگاہ ہوتا رہے بلکہ ان کو عملاً اپنے سامنے ہوتا ہوا بھی دیکھتا رہے۔ یہ چیز تو آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگی کہ ایسی بات جس پر ہم بغیر یقین کئے ہوئے عمل کرنے پر مجبور ہوں، ہماری زندگی کے معمول میں شامل نہیں ہونے پاتی۔ اکثر بچے آپ کی ہدایت اور تنبیہوں کے باوجود آپ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کے لیے کیوں تیار نہیں ہوتے؟ کیوں اچھے بچے نہیں بنتے؟ صرف اتنی سی بات ہے کہ ان کے معصوم ذہن بڑی بڑی باتوں کی دور رس خوبیوں تک نہیں پہنچ پاتے۔ اسی وجہ سے ان کی سمجھ میں آپ کی بات نہیں آتی اور وہ آپ کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے

اس کے برخلاف اگر اچھے اصولوں پر عمل ان کی نظر کے سامنے مسلسل آتا رہے تو وہ ان کے عادی ہو جاتے ہیں اور انھیں اپنی زندگی کا معمول سمجھنے لگتے ہیں۔ بہت معمولی سی مثال ہے کہ کم عمری ہی میں جو بچہ روزانہ شام کو کھیل میں حصہ لیتا رہتا ہے وہ ایک عادی کھلاڑی بن جاتا ہے اور اپنی آیندہ زندگی میں مستقلاً کھیل میں حصہ بھی لیتا رہتا ہے اور دلچسپی بھی محسوس کرتا ہے۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھیے اور پھر غور کیجئے تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آپ جس معیار کی معاشرتی زندگی گذاریں گی بچے کی معاشرتی زندگی کا معیار بھی وہی بن جائے گا۔ پست گھرانے کے بچے اپنے طور طریقوں میں کیوں پست ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ انھیں اپنی زندگی میں بہتر اصولوں اور طریقوں کا تجربہ نہیں ہو پاتا۔ اب رہ گیا سوال بعد میں بہتر اصولوں اور طریقوں کے اختیار کرنے کا تو اس کو دوہری رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلی رکاوٹ تو یہ ہے کہ زندگی میں کسی تلخ تجربے کے بغیر وہ اپنے موجودہ طریقے کو بدلنے کے لئے تیار نہ ہوگا، بلکہ اس کی انتہائی کوشش تو یہی ہوگی کہ وہ اپنے موجودہ طریقوں کو ہی اس طرح کام میں لائے کہ اس کا کام چل جائے، مثلاً ایک چور جیب کے جرم میں پکڑا جاتا ہے تو اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہیں ہوتا بلکہ کسی طرح خود کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے یا ایسے داؤں استعمال کرتا ہے کہ صاف بچ کر نکل جائے۔

جی ہاں! اپنی خامیوں کے معاملہ میں ہم سب کا یہی حال ہے۔ اپنی اصلاح کی طرف ہم بہت بعد میں متوجہ ہوتے ہیں پہلے اپنی بچت کے لئے دلیلیں ہی

تلاش کرتے رہتے ہیں۔

دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ بہتر اصولوں اور طریقوں کے اختیار کرنے میں اُسے رہنمائی کی ضرورت ہوگی۔ وہ خود اپنے طور پر فیصلہ نہیں کرسکتا کہ جس انداز کی زندگی وہ بسر کررہا ہے اس میں کیا خامی ہے اور جو کچھ اصلاحیں اسے کرنی چاہئیں وہ کیا ہوں گی؟ پھر یہ کہ وہ اپنا رہنما تلاش کرے تو کہاں کرے اور کیسے کرے؟ ایسی تحریک اور تلاش و جستجو عام انسان کے ضمیر میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اسے تو کچھ دور ساتھ لے چلنا پڑتا ہے، ورنہ ہر الجھن اور دقت پر وہ ہمّت ہار دیتا ہے، اور اپنے عزم و ارادے سے دست کش ہونے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ان باتوں پر اگر آپ کو اعتبار ہے تو پھر یہ شکایت نہ کیجیے کہ آپ کا بچہ دوسروں سے بے تکلفی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں اور پیاری پیاری باتیں کرنے میں جھجک محسوس کرتا ہے۔ آپ کا اپنا رویہ اگر ایسا نہیں ہے تو آخر بچہ کیسے سیکھ لے؟ اور یہ بھی کہ جب آپ اس کو ہمّت نہیں دلاتی ہیں اور شاباشی نہیں دیتی ہیں تو وہ اس طرف متوجہ بھی کیونکر ہو؟ اس کے اندر خود تو یہ فیصلہ کرنے کی قوت نہیں ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہی عمل سب سے زیادہ عمدہ ہے۔ اس کا احساس تو اسے صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب اس کے اچھے افعال کو آپ اس کے دوسرے کاموں سے شاباشی دے کر اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کرکے ممتاز کردیں۔ تب ہی وہ سمجھ سکے گا کہ یہ وہ عمل ہے جس سے میں دوسروں کی نگاہ میں عزت اور دلوں میں محبت پیدا کرسکتا

ہوں۔ وہ اس خوشنودی ہی کو اپنے لئے بہت بڑا انعام تصوّر کرے گا، اور آیندہ اس انعام کو حاصل کرنے ہی کے لئے وہ اچھے افعال کو بار بار دوہراتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس کی زندگی کا جزو بن جائیں گے۔ میرے سامنے ایسے کتنے ہی بچوں کی مثالیں ہیں جو درجے میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے کے بعد آیندہ بھی اس امتیاز کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کے تعریفی کلمات سے محروم نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ بھی اور کتنی ہی مثالیں ہیں جو ہمیں عام زندگی میں ملتی رہتی ہیں۔ کیا آپ ان سے نتیجہ اخذ کرکے بچے کو معاشرتی زندگی میں کامیابی حاصل کرنے میں مدد نہیں دے سکتیں؟

یہ انعام جس کا ذکر میں نے ابھی کیا، صرف یہیں تک محدود نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ اُسے دوسروں کی خوشی اور تعریف حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ اُسے معاشرہ میں اطمینان کی سانس لینے اور دوسروں کے عتاب سے بچنے کا موقع ملتا ہے۔ آپ نے خود بھی محسوس کیا ہوگا کہ جب آپ کے کسی عمل یا فعل کو سراہا جاتا ہے تو آپ کو اندرونی سکون محسوس ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر آپ لوگوں کی تنقید کا نشانہ بن جائیں تو آپ کی طبیعت میں جھنجھلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے، ایک ایک طرح کی الجھن میں گرفتار ہو جاتی ہیں، اور جب یہ روّیہ ہمیشہ ہی روا رکھا جائے تو آپ میں دوسروں کی طرف سے نفرت کا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ پھر آپ ان سے انتقام لینے کی خاطر غلط روش پر اُتر جائیں گی۔ بچے کی کیفیت بھی بالکل یہی ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ آپ سرد و گرم آزما چکنے کی وجہ سے اکثر مصلحت اندیشی سے کام لیتی ہیں اور

وہ ایسی کسی چیز سے آگاہ نہیں ہوتا۔

غرض اپنی روزمرہ زندگی کے خام تجربات ہی سے پسندیدہ اصولوں کو اخذ کرنے کے لئے آپ کی رہنمائی کی اسے شدید ضرورت ہے، اور خود آپ کی تمنا بھی تو یہی ہے کہ تہذیب و اخلاق کے لحاظ سے وہ آپ کی مسرتوں کا موجب بنے! اگر ایسا ہے تو آپ کو اپنی معاشرتی زندگی پر ایک بار نظر ثانی کرنی پڑے گی۔ آپ دوسروں سے کس طرح پیش آتی ہیں؟ آپ کے بات کرنے کا لہجہ کیا ہوتا ہے؟ آپ بات کرتے کرتے جھنجھلا تو نہیں جاتی ہیں؟ آپ کی آواز اونچی تو نہیں ہو جاتی؟ آپ ہر ایک کو مشکوک نظروں سے تو نہیں دیکھتیں؟ ہر ایک آپ کی نگاہ میں ناقابلِ اعتبار تو نہیں؟ یہ بات تو آپ کے عام اخلاق کی ہوئی۔ مگر زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی آپ کو اپنا جائزہ لینا ہوگا کیونکہ آپ کی سلیقہ مندی، صفائی، ستھرائی، وقت کی پابندی، صبر و تحمل، آمدنی اور خرچ میں توازن، غرض کتنی ہی چیزیں ہیں جن سے بچّہ بے جانے بوجھے متاثر ہوتا ہے، اور انھیں کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے۔ آپ سمجھتی ہیں کہ یہ ساری چیزیں موروثی ہیں، یہ تو اُس کے خون میں شامل ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے آنکھ کھولتے ہی بچّے نے جو طریقۂ زندگی دیکھا ہے، وہ اسے صحیح سمجھ کر قبول کرتا جاتا ہے، اور ویسے ہی ڈھنگ سیکھتا جاتا ہے جیسے اُس کو اپنے بڑوں کے نظر آتے ہیں۔

ہمارے بزرگوں کا یہ ایک اچھا طریقہ تھا کہ وہ بچّوں کو مجلسی آداب سکھانے کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔ اُٹھنے بیٹھنے، اور بات چیت

کرنے کا خاص سلیقہ سکھایا کرتے تھے، جس کے عام طور سے بڑے اچھے نتیجے برآمد ہوا کرتے تھے۔ مگر مجلسی آداب سکھانے میں اگر صرف احکام سے کام لیا جائے، بچے کی مرضی کا خیال نہ رکھا جائے، یا بچے کو یہ احساس ہو جائے کہ اس پر کوئی چیز اوپر سے لادی جا رہی ہے تو وہ آپ کی ہدایتوں کو اوپری دل سے ہی قبول کرتا رہے گا، اور جب بھی اُسے آزادی نصیب ہو گی بغاوت کردیگا۔ اس خطرے کو دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اسے جن اُصولوں پر عمل کرنا ہے ان کی اس کے دل میں قدر بھی پیدا ہو سکے۔ مثلاً اس کے ساتھ کھیلنے والے بچے، اخلاقی اور ذہنی طور پر پست نہ ہوں، گالی گلوچ اور دوسری بُری عادتوں میں مبتلا نہ ہوں۔ جن بڑوں کے گھروں میں اس کا روزمرّہ کا جانا ہو وہ خوش اخلاق ہوں۔ عام اخلاقی برائیوں میں مبتلا نہ ہوں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے گھروں میں ابتری اور رنجشیں نہ ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے فساد نہ اٹھ کھڑے ہوتے ہوں، اور آخر میں میں تو یہاں تک کہوں گا کہ بچے سے متعلق افراد کا سوچنے کا ڈھنگ بھی بچے کی معاشرتی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ ہر چھوٹی سی مصیبت پر گھبرا اُٹھنے والے والدین اپنے بچوں کو اس کمزوری سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اسی طرح دوسروں کی صرف خامیاں بیان کرنے والوں کی اولاد کنبہ پروری سے نہیں بچ سکتی۔ آپ میں جس قدر وسعتِ نظر ہو گی اور جس قدر اچھے انداز سے آپ اپنے حالات کا سامنا کرتی رہیں گی، آپ کے بچوں کی زندگی پر بھی اُسی قدر اچھا اثر پڑے گا۔ بہر حال ایک بار پھر میں کہہ دوں کہ بچے کی معاشرتی نشوونما کے

لئے مناسب حال معاشرتی ماحول کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اس کو اپنی زندگی کا سلیقہ سیکھنے کے لئے علمی نمونے نہ مل سکیں گے، اور وہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔

چند لفظوں میں

- بچے کی تربیت کے لیۓ اس کی صلاحیتوں سے واقفیت ضروری ہے۔

جذباتی نشوونما

- آپ کی غیر متوازن تربیت بچے کے جذبات کو زیادہ یا کم ابھرنے کا موقع دیتی ہے۔
- جذبات کی شدت کے عالم میں بچہ کو ہدایات دینے سے پرہیز کریں۔

حسی نشوونما

- بچوں کو اپنے احساسات پر بھروسہ کرنا سکھایئے۔ ان کے احساسات میں بے جا دخل نہ دیجئے۔ ان پر اپنی پسند نہ ٹھونسیئے۔
- ابتدائی ناقص احساسات کی تربیت ضروری ہے تاکہ جذبات ناقص نہ رہنے پائیں۔

بول چال کی نشوونما

- خیال رکھیئے بچے کی بے معنی آوازیں بھی معنی رکھتی ہیں۔
- بچہ خواہ غلط ہی لفظ بولے لیکن آپ صحیح الفاظ بولیے تاکہ اس کے کان صحیح الفاظ سے آشنا رہیں۔

- بول چال میں وسعت کے لیے اسے چیزیں دکھلایئے اور نام بتلایئے تاکہ وہ یاد رکھنے کی کوشش کرے۔
- توتلی زبان، فحش الفاظ اور گالیاں اس کے سامنے زبان پر نہ لایئے۔ ورنہ سیکھنے کے شوق میں وہ انھیں بھی سیکھ لے گا۔
- اس کے برخلاف ایسے نام سکھلایئے اور چیزوں کی شناخت کرایئے جو اس کی اخلاقی اصلاح کے لئے مفید اور مددگار ہوں۔
- اس کی باتوں میں دلچسپی لیجئے۔ وہ بہت جلد بولنا سیکھ لے گا۔

جنسی نشوونما

- جنسی زندگی کے بارے میں مصنوعی یا ضرورت سے زیادہ شرم سے بچے کے ذہن میں اُلجھاؤ نہ پیدا کیجئے۔
- جنس کے معاملہ میں سوال کرتے وقت بچے کو جھڑکیے نہیں ورنہ اُسے جرم سمجھ بیٹھے گا، یا ایسا راز جو اُس سے چھپایا جارہا ہے۔
- اس کے سوال کے جواب میں اس کا اعتماد قائم رکھیئے اور صرف اتنی ہی بات بتایئے جو اس کے لئے ضروری ہے۔
- جب اس کا ذہن اس طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہو تو اُسے دوسرے کاموں میں مشغول رکھیئے تاکہ اُس کی توانائی استعمال ہوتی رہے۔
- آپ کا یہ خیال غلط ہے کہ دیور بھاوجوں کے مذاق بچوں کے ذہن سے بالا تر ہوتے ہیں۔ احتیاط کیجئے۔
- جنسی مسائل کو اپنی طرف سے نہ چھیڑیئے، اگر بچہ متوجہ نہیں ہے۔

معاشرتی نشوونما

- بچے کا اپنی ابتدائی زندگی میں بہترین معاشرتی اصولوں کا تجربہ کرنا ضروری ہے۔
- زندگی کے بہترین اصولوں پر عمل اگر بچے کی نظر کے سامنے مسلسل آتا رہے تو وہ اُس کا عادی ہو جاتا ہے' اور اسے اپنی زندگی کا جزو بنا لیتا ہے۔
- بچہ جس معیار کی معاشرتی زندگی گذارے گا وہی اس کی زندگی کا معاشرتی معیار بن جائے گا۔
- پست خیال و عمل کے گھرانوں میں اچھا معاشرتی معیار اختیار کرنے میں بچے کو دوہری مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۔ جب تک اپنی عام زندگی میں اسے کوئی تلخ تجربہ نہ ہو زندگی کا ڈھرا بدلنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

۲۔ طرز زندگی بدلنے کے لیے رہنما کی ضرورت ہوتی ہے' اور اس کا انتخاب عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔

- اچھی عادات اختیار کرنے پر بچے کو شاباشی ضرور دیجیے۔ اس سے اس کی ہمت بڑھے گی اور وہ آئندہ عمل کرنے کے لئے بھی آمادہ ہوگا۔ اچھی عادات سکھانے سے نہیں، بلکہ خود اُن پر عمل کر کے دکھانے سے سکھائی جاتی ہیں۔ یہی آپ کا طریقہ ہونا چاہیئے۔
- بچہ کے لئے ایسا ماحول پیدا کیجیے کہ بچہ اچھے اصولوں پر عمل کرتے

ہوئے پابندی نہیں آزادی محسوس کر سکے۔

- بچّہ کی مدد کرتے وقت، اُسے اُس کی ناکامی کا احساس نہ دلایئے۔ ذہنی استعداد بڑھانے کے لیے پہیلیاں، رشتہ اور تعلقات کی تفصیل اور ملکوں کے حالات وغیرہ سنایئے۔
- بچّہ سے یہ کبھی نہ کہیئے کہ وہ کم عقل ہے۔ اس سے اُس کی ہمّت ٹوٹ جاتی ہے۔
- بچّہ سے جو کام آپ لینا چاہتی ہیں پہلے اس میں اس کی دلچسپی پیدا کریں، خواہ تعلیم ہی کیوں نہ ہو۔
- بچّہ کی ذہنی مشغولیت میں اس کی عمر کا لحاظ ضرور رکھیئے۔
- بچّہ جب اوٹ پٹانگ سوچے تو دانش مندی کے ساتھ اس کی رہنمائی کیجیئے تاکہ وہ سوچنے کا انداز بھی سیکھ جائے۔

بچّہ کی نئی نئی مشکلات

بچے کی تربیت کے سلسلے میں بنیادی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے میں نے شاید یہ بات اچھی طرح واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ بچہ جیسے جیسے بڑھتا جاتا ہے اس کے سیدھے سادے مسائل میں چھوٹی موٹی مشکلیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر ان مشکلوں کا سامنا کرنے کے لیئے وہ ذاتی طور پر خود کوئی حل سوچ لیتا ہے اور اس کو عمل میں لاتا ہے لیکن جب یہ حل آپ کے علم میں آتا ہے اور آپ کے لیے پسندیدہ نہیں ہوتا ہے تو آپ بڑی الجھن میں پھنس جاتی ہیں۔ مثلاً اس سے پہلے بچّے کی یہ عادت نہیں تھی کہ وہ گود میں گھسا رہے۔ لیکن نہ جانے اس کو ان دنوں کیا ہو گیا ہے کہ آپ جب بھی اس کو بستر پر لٹاتی ہیں وہ چیخنا شروع کر دیتا ہے اور پھر جیسے ہی گود میں لیتی ہیں چُپ ہو جاتا ہے۔ آپ کو اُس کی یہ عادت بالکل پسند نہیں آتی ہے کیونکہ آپ کہاں تک اُس کو گود میں لیے رہیں گی؟ آپ کو

بیسیوں اور کام ہیں۔ اس لیے بہت ممکن ہے کہ آپ اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جسے بچہ اپنے لیے ناشائستہ سمجھے، جیسے مار پیٹ وغیرہ۔ بہرحال نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ بچہ کی اس ناجائز خوشی کے لیے اپنا نقصان کریں، اور نہ یہ کہ ایک ذرا سی کوتاہی کی وجہ سے اس میں چند ایک خرابیاں پیدا کر دیں۔ بس اب اگر کوئی چارہ ہے تو یہ کہ اس کی اصلاح کے لیے مناسب طریقے اختیار کریں۔

بچے کو جب ایسی مشکلات پیش آنا شروع ہو جائیں تو آپ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ وہ اس مشکل کا مقابلہ کیونکر کرتا ہے۔ اور اگر یہ مقابلہ وہ غلط طریقہ سے کر رہا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ کیوں صرف اسی طریقہ کو اختیار کرنے کے لیے مجبور ہو گیا ہے؟ کیوں نہیں اس نے کوئی اور طریقہ اختیار کیا جو آپ کے لئے اتنا پریشان کن نہ ہوتا؟ اور کیا ایسا تو نہیں کہ اس مزید الجھن کے پیدا ہو جانے کی وجہ آپ ہیں؟ ان تمام چیزوں پر غور کیجئے، اور پھر اس کو ان مشکلات سے نکالنے کی کوشش کیجیے۔

ایسی مشکلات تقریباً اس عمر میں پیش آتی ہیں جب بچہ کچھ سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ اور آپ جانتی ہیں کہ جب کوئی سوچنا شروع کر دیتا ہے تو بیسیوں طرح کی باتیں اس کے ذہن میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ بچے کے ذہن میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، اور یہ بالکل فطری چیز ہے، ان مشکلات سے گھبرانا اچھا نہیں، کیونکہ ان کو بہرحال پیش آنا ہے۔ اس لئے آپ ان کی طرف صبر اور استقامت سے توجہ دیں۔

اگر آپ گننا شروع کردیں تو شاید آپ نئی نئی پیدا ہونے والی مشکلات کی ایک لمبی چوڑی فہرست تیار کرلیں ۔ اب اگر ہر ایک کا تذکرہ کیا جائے اور اس کا حل بیان کیا جائے تو شاید آپ کا بیشتر وقت اسی کی نذر ہو جائے اس لیے یہاں صرف انہی دو چار مشکلات کا تذکرہ کرنا اور حل بیان کرنا مناسب ہوگا جو بڑی اہم ہیں' اور جن سے آپ کا سابقہ پڑنا لازمی ہے ۔

دُودھ چھڑانا

بچے اور ماں کے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے میں نے یہ بھی کہا تھا کہ بچہ ماں کی محبت کا بے حد خواہشمند رہتا ہے ۔ اور یہ بات تو بتانے کی ضرورت بھی نہیں' ہر ماں کو اس کا تجربہ ہوتا ہی ہے ۔ ہر ماں اچھی طرح جانتی ہے کہ بچہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ۔ اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ اس کے دل میں بچے کے لیے جو محبت اور خلوص ہے وہ دوسروں کے دلوں میں نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ایسی حرکتیں جو دوسروں کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں وہ ماں کے لیے بڑی اہم ہوتی ہیں اور وہ ان سے بچہ کی بہت سی خواہشوں کو سمجھ جاتی ہے ۔ چنانچہ وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ ان تمام مطالبات کو پورا کرتی ہے ۔ ماں کی یہ شفقت اور محبت بچہ کے لیے بڑی قیمتی ہوتی ہے وہ اس اس کی بنا پر ماں کو بے انتہا چاہنے لگتا ہے' اور اس سے الگ رہنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتا

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بچے کو دُودھ پینے سے صرف اتنی ہی

غرض ہے کہ اس کی بھوک کی تسکین ہو جاتی ہے، اور اگر اس کی یہ طلب کسی اور طرح پوری ہو جاتی تو وہ اس کی طرف توجہ نہ دیتا۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہے بچہ صرف دودھ ہی نہیں پیتا ہے بلکہ وہ ماں کی گود میں جا کر بڑا سکون محسوس کرتا ہے۔ خیال کیجئے، ماں کی نرم نرم گود اس کے لیے کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی اس کو ہلکے ہلکے ہچکولے بھی نصیب ہوتے ہیں اور وہ لوریوں کا سا لطف حاصل کرنے لگتا ہے، ماں اپنی فطری حیا کی وجہ سے جب بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اس کو اپنے پلو سے ڈھک لیتی ہے، جس کی وجہ سے اس کو ایسی تنہائی میسر آجاتی ہے جس میں وہ بے انتہا عافیت محسوس کرتا ہے۔ اور یہ عافیت محسوس کر کے ہی وہ اکثر سو بھی جاتا ہے۔ آپ یہ بھی محسوس کریں گی کہ آپ کا بچہ آپ کا دودھ پیتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے لیے آپ کے اندر محبت اور زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ چنانچہ آپ اس کو تھپکنا بھی شروع کر دیتی ہیں۔

اب بھلا سوچیے کہ اگر اس کی بھوک کسی اور طرح مٹ جاتی تو وہ یہ تمام رعائتیں آپ سے کہاں حاصل کر سکتا؟ اس کو آپ کی گود میں لینا، اس میں عافیت محسوس کرنا، آپ کے تھپکنے اور لوریوں سے لطف اندوز ہونا کہاں ملتا؟ اس بنا پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ بچہ دودھ پیتے وقت محض بھوک مٹانے کی جگہ کسی اور ہی بات کا خواہشمند ہوتا ہے۔

فیصلہ کیجیے کہ ان تمام رعائتوں سے بچہ کیسے دستبردار ہو جانا پسند کرے گا؟ وہ تو یہی چاہے گا کہ اس کو جتنے دن یہ رعائتیں حاصل

رہیں۔ اچھا ہے۔ اب اگر آپ اس کو ان سے محروم کرنا چاہیں گی تو وہ آپ کے لیے نئی نئی مشکلات پیدا کر دے گا۔ بعض مائیں انہی مشکلات سے بچنے کے لیے بچّہ کو مقررہ مدت سے زیادہ عرصہ تک دودھ پلاتی رہتی ہیں۔ یہ چیز بچے کی ذہنی کیفیت کے لیے مفید نہیں ہوتی۔ بچہ جب زیادہ عرصہ تک دودھ پیتا رہتا ہے تو گویا اس کو ماں کی محبت اور عافیت بھی اتنے ہی زیادہ عرصہ حاصل رہتی ہے چنانچہ وہ ماں کی محافظت پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرنے لگتا ہے، وہ تمام کاموں میں ماں کی امداد کا خواہش مند رہتا ہے، اپنے آپ کسی کام کو کر لینا اس پر بار گزرتا ہے۔ بس جو کچھ ہے وہ ماں ہی کے ذریعہ ہے۔ یہی نہیں کہ یہ چیز اس کی بچپن کی زندگی تک محدود رہے، بلکہ آیندہ زندگی میں بھی وہ بڑا بے پروا اور غیر ذمہ دار انسان ثابت ہوتا ہے، اسے اپنے دماغ اور عقل کو استعمال کرنا بے حد بار گزرتا ہے۔

کچھ مائیں ایسی بھی ہیں جو وقت سے پہلے بچے کا دودھ چھڑا دیتی ہیں۔ ان کو کسی نہ کسی طرح یہ احساس ہو جاتا ہے کہ بچے کو زیادہ عرصہ تک دودھ پلانا اچھا نہیں ہے، اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ہوتی ہے کہ خانہ داری کے دوسرے جھمیلوں کی وجہ سے ان کے لیے اس فرض سے سبک دوش ہو جانا ضروری ہوتا ہے۔ جس بچے کو اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ اس بچے کے بالکل برعکس ہوتا ہے جو زیادہ عرصہ تک دودھ پیتا رہتا ہے۔ ماں کی محبت اور شفقت جو دودھ پلانے وقت اس کو میسر آتی ہے۔

وہ اس سے محروم ہوچکا ہوتا ہے۔ ماں کی گود میں رہ کر جو محافظت وہ محسوس کرتا ہے وہ بھی اس سے چھن جاتی ہے، دودھ پیتے وقت تھپکا جانا اور لوریوں سے میٹھی میٹھی نیند محسوس کرنا بھی اس کو نصیب نہیں ہوتا ہے۔ اب وہ ایسا سمجھنے لگتا ہے، جیسے اس کا کوئی محافظ نہیں ہے، اس سے کوئی محبت کرنے والا نہیں ہے، وہ کسی کے پاس داد فریاد لے جانے کا حق نہیں رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی حفاظت کی ذمہ داری خود ہی اٹھانے لگتا ہے، اور یہ حفاظت بھی وہ الگ تھلگ رہ کر، کونے کھتروں میں چھپ کر کرتا ہے۔ وہ بچوں سے زیادہ ملنا یا بات کرنا پسند نہیں کرتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں نے ان سے زیادہ رسم و راہ پیدا کی تو میں کسی نہ کسی وقت پٹ بھی جاؤں گا۔ اب تو آپ نے اندازہ کر ہی لیا ہوگا کہ اس معاملہ میں آپ کی احتیاط یا بداحتیاطی بچے کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہوتی، بلکہ جو مدت اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے وہی سب سے بہتر ہے اس نے دو سال کا عرصہ دودھ پلانے کے لیے مقرر کیا ہے، اس عرصے کے اندر اگر آپ غور سے دیکھیں تو اندازہ کریں گی کہ بچہ اچھی طرح اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کو ماں کے دودھ سے زیادہ دوسری کھانے پینے کی چیزوں کی طرف رغبت ہونے لگتی ہے لیکن بہت سی مائیں اس فطری حکم کو زبردستی بچے پر نافذ کرتی ہیں۔ جب وہ جان لیتی ہیں کہ اب بچہ کا دودھ پینے کا شرعی زمانہ ختم ہو گیا تو وہ اپنی چھاتیوں پر ایسی کڑوی کسیلی چیزیں لگا لیتی ہیں کہ بچہ جیسے ہی منہ لگاتا ہے، اس کا منھ خراب ہو جاتا ہے اور وہ رونے چیخنے لگتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیئے وہ دودھ

نہیں لیتا ہے لیکن پھر جب کسی غلط اُمید کے سہارے وہ ماں کے دودھ کی خواہش کرتا ہے تو اسی زہر کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر اس کو صدمہ ہوتا ہے غرض کہ وہ مایوس ہو جاتا ہے اور اس میں تمام وہی خرابیاں پیدا ہونے لگتی ہیں جن سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک فطری زمانہ مقرر کیا تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بچہ اس عرصہ کے بعد خود بخود دودھ طلب نہ کرتا لیکن عملی طور پر ہوتا یہی ہے کہ ہر بچہ مجبوراً کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، ایسا کیوں ہے؟ کبھی آپ نے بھی سوچا ہے؟۔

دیکھئے! ـــــ جب آپ بچے کا دودھ چھڑانا چاہتی ہیں تو پوری طرح اس سے بیزاری کا اعلان کر دیتی ہیں۔ جی ہاں میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ یہ اعلان بیزاری نہیں تو کیا ہے؟ کہ آپ اس کو اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتی ہیں کہ کہیں وہ آپ کو دیکھ کر دودھ طلب نہ کرنے لگے۔ یہ بھی تو بہر حال آپ کی زیادتی ہے کہ آپ دودھ پر کڑوی کسیلی چیز لگا دیتی ہیں۔ پھر اگر اس کے بعد بھی وہ باز نہیں آتا ہے تو آپ اس کی پٹائی کرتی ہیں۔ دو چار چھ بار پٹنے کے بعد اور دو چار چھ بار ضد کرنے اور مایوس ہو جانے کے بعد وہ یقین کرنے لگتا ہے کہ یہ دل وہ نہیں ہے جس میں اُس کے لیے کسک تھی بس اس لیے وہ اپنی شکست مان لیتا ہے اور دودھ نہیں مانگتا لیکن آپ سمجھتی ہیں کہ اُس نے دودھ پینا چھوڑ دیا۔ دودھ پینا تو وہ اسی وقت چھوڑ چکا تھا جب اس کے معدہ نے ثقیل غذائیں ہضم کرنا شروع کر دی تھیں اب وہ دودھ تھوڑی پی رہا تھا، وہ تو آپ کی محبت اور شفقت سے لطف اندوز

ہورہا تھا، اسی وجہ سے وہ آپ کی چھاتیوں سے چمٹا ہوا تھا۔ ورنہ جیسے آج اُسے زبردستی چھوڑنا پڑا ہے وہ اسی طرح بغیر کسی مجبوری کے بہت عرصہ پہلے دودھ نہ پیتا۔

جن بچوں سے زبردستی دودھ چھڑایا جاتا ہے اُن کے بارے میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کو صرف دودھ ہی سے نفرت نہیں ہوجاتی ہے، بلکہ دُودھ سے بنی ہوئی ساری چیزوں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ وجہ؟ یہی کہ آپ نے اُس کو نفرت دلا دلا کر دودھ پینا چھڑایا ہے۔ اب جب اُسے دُودھ سے نفرت ہوگئی ہے تو دودھ سے بنی ہوئی دوسری چیزوں سے کیوں رغبت رہ جائے؟ یہ مسئلہ اکثر آپ کے لیے پیچیدہ ہوجاتا ہے، اور خاص کر اُس زمانہ میں جب بیماری کی وجہ سے آپ اس کو اور کوئی غذا نہیں دے سکتی ہیں اور وہ اپنی اس پیدا شدہ نفرت کی وجہ سے انھیں استعمال نہیں کرسکتا ہے۔

اس لئے دودھ چھڑاتے وقت ان باتوں کا تو آپ خاص طور سے خیال رکھیں پہلی بات یہ ہے کہ جب آپ بچے کا دُودھ چھڑانا چاہیں، اس پر کسی طرح یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ آپ کی محبت میں کمی ہورہی ہے۔ اس کے ساتھ آپ ویسا ہی برتاؤ رکھیں جیسا کہ آپ اُس زمانہ میں رکھتی تھیں۔ جب وہ دودھ پیتا تھا۔ آپ اُس کے ساتھ اُتنی ہی محبت کا اظہار کریں جتنی آپ کو دودھ پلاتے وقت اُس سے ہوجایا کرتی تھی۔ آپ اس کو اب بھی گود میں سو رہنے، اور لوریاں سُننے کا پورا پورا موقع دیں تاکہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اب ایک نئی تبدیلی ہورہی ہے اور اس سے کوئی ناپسندیدہ

چیز چھینی جا رہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ کھانا شروع کر دے اور چیزوں کو دانت سے کاٹنا شروع کر دے تو آپ اس کو رغبت دلا کر چیزوں کو چبانے کا موقع دیں۔ اس کو پھل وغیرہ جب کھانے کو دیں تو اس کے دانتوں کی تعریف اس طرح کریں کہ وہ اول تو یہ سمجھ سکے کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، دوسرے یہ کہ وہ یہ اطمینان محسوس کرنے لگے کہ اس کے دانت کسی کام کے لائق ہیں اور وہ ان سے کوئی کام لے سکتا ہے۔ اس طرح وہ دودھ پینے کے بجائے کھانے میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔

اور پھر دانتوں کا استعمال کرنا تو اس کے لئے فطری چیز ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نئی چیز مل رہی ہوتی ہے، اور وہ اس پر تجربہ کر رہا ہوتا ہے کہ وہ کس کام آسکتی ہے اور کس قدر مفید ہے؟ چنانچہ آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہو گا کہ جب آپ کے بچے کے دانت نکلنے شروع ہوئے تھے تو اس نے دو ایک بار دودھ پیتے ہوئے آپ کے کاٹ بھی لیا تھا، اور آپ نے تکلیف کی وجہ سے اس کو مار بھی دیا تھا ——— اور یہ آپ نے غلط کیا تھا۔

آپ کو اُسے مار دینے کے بجائے چاہیے یہ تھا کہ دُودھ کو آہستہ سے اس کے منہ سے نکال لیتیں اور پھر تھوڑی دیر کے بعد دیتیں۔ لیکن یہ مار دینا تو آپ کی دودھ چھڑانے کی مہم میں حارج ہو گیا ہے کیونکہ وہ دانتوں کے استعمال کو ایسا بُرا کام سمجھنے لگا ہے کہ اس کے بدلہ میں مار نصیب ہوتی

ہے اور اس طرح وہ دودھ سے چمٹے رہنے کو ترجیح دینے لگا ہے۔ بہر حال اگر آپ دودھ سے خوراک کی طرف لانا چاہتی ہیں تو آپ کو ایسی احتیاطیں کرنی ہی پڑیں گی ورنہ دودھ چھڑانا آپ کے لیے ایسا ہی مشکل کام ہوگا جیسا آپ کے اردگرد کی دوسری عورتوں کے لیے ہے۔

بستر خراب کرنا

ایک اور پریشانی جس کا آپ کو ہر حالت میں سامنا کرنا پڑتا ہے وہ بچہ کا بستر خراب کر دینا ہے۔ بہت کم بچے ایسے ہوتے ہیں جو پلنگ پر پیشاب یا پاخانہ نہ کر دیتے ہوں ورنہ اکثر کو اس کی عادت ہوتی ہے اور خاص طور سے پیشاب کر دینا تو ان کے لیے معمولی سی بات ہوتی ہے، اور آپ کو جب دھونا پڑتا ہے تو کھل جاتا ہے۔ روز روز کی یہ درگت آپ کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے اور آپ مجبور ہو کر بچے کو ٹوکنا شروع کر دیتی ہیں۔ اُسے دھمکیاں دینے لگتی ہیں اور جب اس سے بھی کام نہیں چلتا ہے تو پھر سزا دینا شروع کر دیتی ہیں۔ لیکن بچے کی یہ عادت آپ کی تمام روک ٹوک کے باوجود بڑھتی چلی جاتی ہے اور بالآخر آپ یہ فیصلہ کر لیتی ہیں کہ اس کو بستر پر پیشاب کرنے کی بیماری ہو گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حالات میں ایسا ہی ہو، مگر زیادہ تر ایسا نہیں ہوتا۔ بچہ کا بستر خراب کر دینا محض بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات دوسری ہی وجہیں ہوتی ہیں۔ اگر آپ اُن پر غور کریں اور اُس اصل وجہ کا سدِ باب کرنے کی کوشش

کریں تو اس کی یہ حرکت خود بخود بند ہو جائے گی۔

جو بچے ہر وقت بستر ہی پر پڑے رہتے ہیں، وہ تو بستر ہی پر پیشاب وغیرہ کریں گے۔ لیکن اگر آپ اس چیز کو ان کے لیے مجبوری سمجھ کر ٹالتی رہیں گی تو بچہ ہمیشہ بستر پر ہی پیشاب کرے گا۔ وہ کیا سمجھے گا کہ ایسے موقع پر دوسروں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسا طریقہ اختیار کرنا لازمی ہوتا ہے کہ بستر خراب نہ ہو؟ دیکھیے یہاں آپ یہ بات نہ چھوڑیے کہ آپ کے بچے کو جب حاجت محسوس ہوتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے یا بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس کے لیے فطری ہے لیکن یقین کیجیے نہ وہ بستر سے اٹھنے کیلئے بے چین ہوا ہے نہ آپکی مدد چاہنے کیلئے! البتہ اگر آپ ایسے وقت اسکی مدد کو پہنچ جائیں تو وہ معاملہ کی نوعیت کو ضرور سمجھنے لگے گا اور رفتہ رفتہ اس کی ایسی عادت پڑ جائے گی کہ وہ بغیر آپ کے اجابت نہ کرے گا۔ اس کا تجربہ ایک بچہ پر کیا ہے، اور میری نظر سے گزر چکا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کس طرح وہ پیشاب کرنے کے لیے رات کے اندھیرے میں پلنگ سے نیچے اترنا ہی پسند کرتا تھا۔ اور شاید ہی کبھی بے خیالی میں اس نے بستر خراب کیا ہو ـــ اس طرح یہ توجہ بڑے کام کی چیز ہے۔ اس کی بنا پر اس کی آئندہ پڑ جانے والی خراب عادات کو آپ ہمیشہ کے لیے فنا کر دیں گی۔

ایک اور وجہ پیشاب کر دینے کی یہ بھی ہے کہ اگر بچے کو سونے سے پہلے پیشاب نہ کرایا جائے تو وہ سوتے میں حاجت سے مجبور ہو کر بے خیالی میں ضرور بستر خراب کر دے گا۔ پھر اگر وہ اس طرح دو چار بار کرتا رہا تو یہ اس

کا معمول ہو جائے گا۔ وہ اب اُس وقت اکثر پیشاب کر دیا کرے گا جبکہ وہ سوتے میں ایسا کرتا تھا۔ اس عادت کو چھڑانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ سونے سے پہلے اس کو اس ضرورت سے فارغ کرالیا جائے۔

اس سے بھی اہم وجہ بچّے کا ڈر جانا ہے۔ بچہ جب اندھیرے میں خوف یا ڈراؤنے خواب سے ڈر جاتا ہے تو بھی وہ بستر خراب کر دیتا ہے۔ ایسے موقعوں پر اُس کے لیے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا اور بچاؤ کی تدبیر سوچنا ممکن نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ وہ ڈر جائے اور اپنی شکست کا اعلان کر دے۔ یہ اعلان وہ جانتے بوجھتے نہیں کرتا بلکہ اس کے انجان پن میں ہوتا ہے، اور وہ، باوجود کوشش کے اپنے آپ کو بستر خراب کرنے سے باز نہیں رکھ پاتا ایسے وقت آپ اس کو معذور سمجھیے، اور بجائے اُسے ڈانٹنے یا سزا دینے کے اس کی اس پریشانی کو دُور کیجیے، اور یہ بھی کہ جب وہ کوئی ڈراونا خواب دیکھے اور بستر خراب کر دے تو ہمدردی کے ساتھ اُسے گود میں اٹھا لیجئے اور ذرا بھی یہ احساس نہ ہونے دیجئے کہ اُس نے کوئی بُری حرکت کی ہے۔ جی ہاں! اس نے یہ کوئی بُری حرکت نہیں کی ہے۔ اگر اس نے ڈراؤنا خواب نہ دیکھا ہوتا تو کیوں پیشاب کر دیتا۔ البتہ یہ ضرور کر دیجیے کہ اس کی توجہ پیشاب کی طرف سے ہٹا کر دلاسا دینے اور بہلانے کی طرف موڑ دیئے۔

یہ یاد رکھیے کہ جو بچے روزانہ سوتے میں ڈر جاتے ہیں ان کی بھی بستر خراب کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس عادت کا چھڑانا جیسا کہ میں بتا

چکا ہوں صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ خوف کو ان سے دور کیا جائے۔

ایک اور دلچسپ وجہ بستر خراب کرنے کی یہ بھی ہے کہ بچہ آپ کی محبت کی تلاش میں ایسا کر دیتا ہے۔ یہ بڑی ہی عجیب سی بات ہے، لیکن ہے حقیقت! بچہ جب یہ دیکھتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کی محبت میں کمی ہو رہی ہے تو وہ ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جس سے وہ دوبارہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کرے، اور شاید اسی طرح آپ اس سے محبت کرنے لگ جائیں! یہ جذبہ خاص طور سے ان بچوں میں پیدا ہوتا ہے جن کے اور بھی بھائی بہن ہوتے ہیں اور اس کی ماں کو ہر ایک طرف برابر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے ایسی حالت میں یہ ناممکن ہوتا ہے کہ ہر بچے کو پورا پورا وقت دیا جائے کسی نہ کسی وقت تو ان میں سے ایک کے بجائے باقی کو ماں کے بغیر ہی رہنا پڑے گا۔ لیکن ان میں سے وہ بچہ جو بستر خراب کر دیتا ہے وہ کسی لمحہ بھی اکیلے پڑے رہنا پسند نہیں کرتا۔ وہ تو یہی چاہتا ہے کہ اس کی ماں ہر وقت اس کے پاس موجود رہے۔ (اس کا یہ چاہنا بھی اکثر ماں ہی کی کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے) اس لیے وہ بستر خراب کر دیتا ہے کہ اب تو ماں اس کی طرف متوجہ ہوگی، اب تو وہ اسے اٹھائے گی، اس کے کپڑے تبدیل کرائیگی اور بستر دھوئے گی۔ کچھ نہ سہی اتنی محبت اور اتنا تعلق تو نصیب ہی ہو جائیگا ایسے بچے کو ماں جتنی سزا دیتی ہے اتنا ہی بچہ اپنی اس حرکت پر جمتا چلا جاتا ہے کیونکہ ایک طرف آپ کا غصہ ہونا، اور دوسری طرف آپ کا متوجہ ہونا، یہ تو اس کے پلّے پڑتا ہے، یہی کیا کم ہے۔

ایسے بچّہ کی عادت چھڑانا بڑا مشکل ہوتا ہے، اور خاص طور سے ان ماؤں کے لیے جو بچے کو مجرم سمجھنے لگتی ہیں۔ وہ ہر وقت اس کے پیچھے پڑی رہتی ہیں اور بھول کر بھی کسی وقت محبت کا اظہار نہیں کرتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ شاید بچہ اس خفگی کا خیال کر کے اپنی حرکت سے باز آجائے۔ لیکن ایک طرف وہ ان عادتوں کو نہیں چھوڑتا ہے، اور دوسری طرف آپ کے اظہار نفرت کی وجہ سے اپنے اندر چند دوسری پیچیدگیاں پیدا کر لیتا ہے اور اُن ماؤں کے لیے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔

انھیں چاہیئے تو یہ تھا کہ اس سے نفرت اور خفگی کا برتاؤ کرنے کے بجائے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتیں۔ اس کے دل سے یہ وہم دور کرتیں کہ اس سے ماں کو نفرت ہو گئی ہے، اور اس نے اب اس سے محبت کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح جب اس کو یہ یقین ہو جاتا کہ وہ جو کچھ سمجھ رہا تھا حقیقت اُس کے بالکل برعکس ہے۔ تو وہ خود بخود اپنی عادت کو چھوڑ دیتا۔

اس بات کا ہمیشہ خیال رکھیے کہ آپ اس خراب عادت کو کبھی سزا دے کر نہیں چھڑا سکتی ہیں، کیونکہ سزا کی وجہ سے بچے کے دل میں خوف اور بھی زیادہ بیٹھتا چلا جائے گا، اور پھر اگر وہ خوف کی وجہ سے بستر خراب نہیں کر رہا تھا تو اب خوف کی بنا پر ایسا کرنا شروع کر دے گا۔ پھر یہ آپ کے لیے اور بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

بستر خراب کر دینے والے بچوں کا بہترین علاج تو یہ ہے کہ آپ ان کو صاف ستھرا رہنے کی تلقین کریں اور خود ان کو یہ احساس دلائیں کہ

اگر وہ اچھے بچوں کی طرح رہیں گے تو دوسرے بھی اُن سے بے حد محبت کرنے لگیں گے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو گندے بچوں میں شمار کیے جائیں گے" اور گندے بچّوں کے بارے میں تم جانتے ہو کہ اُن کو کوئی نہیں چاہتا۔"

بہت سے گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ سوتے میں پیشاب کر دینے والے بچے کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، اُسے چڑایا جاتا ہے، اور اس کو شرمندہ کرنے کے لئے اُس کی ہنسی اڑانے کے لیے اُس کے ایسے نام رکھ لیے جاتے ہیں جن سے وہ اپنی بے عزّتی ہوتی ہوئی محسوس کرتا ہے۔ مثلاً اُس کو "متوڑا" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس سے اُس کے دل کو بڑی چوٹ پہنچتی ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جیسے وہ ایک دم ناکارہ ہو۔ بچے کو جہاں یہ احساس ہوا، بس وہ بے کار ہو گیا۔ اب وہ اپنی اصلاح نہ کر سکے گا، اگر وہ کوشش بھی کرے گا تب بھی نہ کر سکے گا کیوں کہ اب تو اس کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ وہ اتنا بُرا ہے۔

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے بچے میں یہ خرابی نہ پیدا ہو تو آپ اس کا مذاق کسی بھی صورت میں نہ اُڑائیں۔ اور اگر وہ کسی نہ کسی طرح اپنی اس خرابی کو دور بھی کرے گا جس کی وجہ سے وہ آپ کے مذاق کا نشانہ بنا ہے تو یہ خرابی تو بہر حال جڑ ہی پکڑ لے گی کہ وہ بُرا ہے، اس کا مذاق اڑایا جا سکتا ہے۔ یہ تصور اس کے اندر ایک جھجک اور کمتری پیدا کر دے گا جو اُس کی ذہنی صلاحیت کے لیے کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔

توتلانا اور ہکلانا

ایک ماں کے لیے بچے کی یہ خامی خاص طور سے تکلیف دہ ہوتی ہے' کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ایسا بچہ جو توتلا ہو یا ہکلا ہو کسی کام کا نہیں رہتا ہے۔ لوگوں کے مذاق کا نشانہ تو وہ پہلے بن جاتا ہے' اور یہ بعد میں ہوتا ہے کہ وہ اپنا اظہارِ خیال آزادی کے ساتھ کر سکے۔ چنانچہ جہاں بچے میں توتلا پن یا ہکلا پن محسوس کیا جانے لگتا ہے فوراً اُس کے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے' اور خدانخواستہ یہ نقص دُور نہیں ہوتا ہے تو اس کو قسمت کا لکھا سمجھ کر گوارا کر لیا جاتا ہے۔ جن بچّوں میں یہ عارضہ کی صورت میں لقوہ یا زبان کی ناقص بناوٹ کی وجہ سے پائے جاتے ہیں اُن کے معاملہ میں تو یقیناً مجبوری ہے۔ لیکن ان بچوں کو جن میں یہ خرابیاں محض نقل کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں' فطری طور پر ناقص بچّوں کی صف میں شمار کرنا دانش مندی نہیں ہے' اور زیادتی ایسے ہی بچّوں کی ہوتی ہے جو فطری طور پر ناقص نہیں ہوتے ہیں بلکہ بنا دیئے جاتے ہیں۔ اس لیے ہمارے واسطے یہ بہت ضروری بات ہے کہ ہم اس کا پتہ لگائیں کہ ہمارے بچے میں یہ خرابی کیونکر پیدا ہو گئی ہے؟

بوڑھی عورتیں عام طور سے بچّوں کو توتلے اور ہکلے لوگوں کی نقل اُتارنے سے منع کرتی ہیں' وہ تو اس قدر سختی سے ٹوکتی ہیں کہ بچّے کو ایک بار بھی اس طرح کی نقل کرنے نہیں دیتی ہیں' لیکن زیادہ تر بچے بڑے بوڑھوں کی بات

کو رد کرنے میں بڑا لطف لیتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا جاتا ہے۔ اگر آپ ایسے بچوں کی بولی پر غور کیجیے تو آپ دیکھیں گی کہ کتنی جلدی اُن کی بول چال میں وہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے، صرف آٹھ دس بار کی نقل ان کو بھی ویسا ہی بنا دیتی ہے۔ ایسے بہت سے بچے تجربے میں آئے ہیں جو محض نقل کرنے کی وجہ سے ہمیشہ کے توتلے یا ہکلے ہو گئے ہیں، اور جب ایک بار ان میں یہ نقص پیدا ہو گیا ہے تو باوجود کوشش کے وہ پوری طرح دُور نہیں ہو سکا ہے۔ اس کا خاص طور سے لحاظ رکھیے کہ وہ نقل نہ کرنے پائیں، البتہ بجائے ان کو ٹوکنے اور منع کرنے کے اس نقص سے عبرت دلایئے اور اُن میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناپسندیدگی سے خوف پیدا کرایئے، اور ایسے کاموں کی ترغیب دلایئے جن کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے وہ اختیار کریں۔ اس طرح وہ نقل کرنا خود ہی چھوڑ دیں گے اور بُری عادت سے بچ جائیں گے۔

یہ تو وہ طریقہ تھا جس سے وہ خود ان نقائص کو اختیار کرتے ہیں لیکن اس کے مقابلے میں زیادہ ذرائع ایسے ہیں جو اُن کے اختیار میں نہیں ہوتے بلکہ وہ محض ماں باپ کی خوشی حاصل کرنے کے لیے پیدا کر لیتے ہیں۔

پہلے میں توتلے پن کے بارے میں بیان کروں گا۔

بچوں کے بول چال کے سیکھنے کے سلسلے میں بیان کر چکا ہوں کہ شروع میں بچہ پورے پورے لفظ ادا نہیں کر پاتا ہے۔ وہ ان کے لیے چھوٹے چھوٹے اشارے مقرر کر لیتا ہے اور انہی سے اپنا کام چلاتا ہے

مثلاً جب اس کو پانی پینا ہوگا تو وہ صرف "مم" کہہ کر اپنا کام چلا لے گا۔ جب ہم لوگ اس کی توتلی زبان سے ایسے فقرے سنتے ہیں تو یہ ہم کو بڑے بھلے معلوم ہوتے ہیں اور ہم اس کو بار بار اکساتے ہیں کہ وہ دوبارہ انہی الفاظ کو ادا کرے، اور جب وہ ہماری خواہش کو پورا نہیں کرتا ہے تو ہم خود اس کے ہی توتلے الفاظ کو ادا کرکے اس کو اس طرح بولنے پر بیہ آمادہ کرتے ہیں ـــــ یہ کیسے ؟ ـــــ آیئے ایک مثال سے سمجھیں ـــــ ایک ماں کا بچہ جب بھی پانی مانگتا ہے تو وہ "مم" کہتا ہے۔ اور اب ماں بھی جب اس سے پوچھتی ہے تو یہی کہتی ہے، "بیٹے مم پیو گے ؟" اب آپ ہی بتلایئے بھلا وہ کیونکر جانے گا کہ صحیح لفظ "مم" نہیں، پانی ہے ؟ اگر صحیح لفظ پانی ہے تو اس کی ماں نہ کہتی ؟ ـــــ یہ مثال تو صرف ایک لفظ کی ہے، مگر توتلے بچوں کی بولی میں زیادہ لفظ ایسے بھی ہوتے ہیں جو وہ اس طرح اختیار کر لیتے ہیں، اور آپ سمجھتی ہیں کہ یہ تو بچے کی فطرت ہے۔ وہ توتلائے گا، اور پھر خود ہی صاف بولی بولنے لگے گا لیکن یہ تو سوچیے کہ جتنے عرصہ اس کو توتلانے کی ضرورت ہے یعنی وہ صاف الفاظ ادا نہیں کر سکتا ہے اس سے زیادہ عرصہ تک کیوں آپ اسے مجبور رکھیں ؟۔

ہاں یہ درست ہے کہ وہ "مم" سے پانی مراد لیتا ہے۔ لیکن جب آپ اس سے بات چیت کرتے وقت "مم" کے بجائے "پانی" ہی کہیں گی تو اس کے کان صحیح لفظ سے مانوس ہوتے رہیں گے اور ایک دن وہ پانی کہنا شروع کر دے گا۔ ایسے بچے جن کے ساتھ توتلا کر بات چیت نہیں

کی جاتی ہے ان کی بولی بڑی جلدی صاف ہوجاتی ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ آپ بھی جذبات رکھتی ہیں، اور کبھی آپ کا بھی دل چاہتا ہے کہ اپنے بچے کے ساتھ پیار اور محبت کی گفتگو کریں، ضرور کیجیے ـــ یہ تو بڑی ضروری چیز ہے، اور آپ کے فرائض میں سے ایک ہے اگر آپ نے اپنے بچوں کے ساتھ ہی پیار اور محبت کا اظہار نہیں کیا تو کس کیساتھ کریں گی؟ ـــ لیکن ذرا اس کا بھی تو جواب دیجیے کہ کیا پیار اور محبت کی گفتگو صرف توتلی زبان میں ہی ہو سکتی ہے؟ کیا آپ صرف "روٹی" کو "لوٹی" کہہ کر ہی اپنی محبت کا اظہار کرسکتی ہیں؟ کیا آپ "لڑکا" کو "لڈکا" کہہ کر ہی اپنا پیار جتا سکتی ہیں؟ ـــ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ الفاظ تو آپ کے منہ سے صرف یونہی نکل گئے تھے محض اس وجہ سے کہ آپ کا بچہ اس طرح کہتا ہے، مگر آپ اس پر قابو پانے کی عادت ڈالیے اور میرے اُن کرم فرما کی سی ہٹ دھرمی نہ اختیار کیجیے جو مجھے تربیتی اصولوں پر عمل کرنے کی تو تلقین کیا کرتے ہیں لیکن خود یہ بات کسی طرح ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ اگر بچے سے توتلا کر بولا گیا تو بچہ توتلا ہو جائے گا۔ ایسے لوگوں کی گودوں میں پرورش پائے ہوئے بچے سات آٹھ سال کی عمر تک عموماً توتلا کر بولا کرتے ہیں۔ وہ بچے سمجھتے ہیں کہ ان کے والدین ان کے اس طرح بولنے کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو اسی طرح بولنا چاہیئے تاکہ ان کے والدین کو ان پر اس سے زیادہ پیار آئے۔ زیادہ سے زیادہ پیار حاصل کرنے کے لیے اس سے آسان طریقہ اور کون ہو سکتا ہے؟ چنانچہ وہ جی بھر کے توتلاتے ہیں

اور والدین سمجھتے ہیں کہ ابھی وہ بچہ ہے، جب سمجھ آجائے گی تو وہ خود ہی چھوڑ دے گا۔ مگر اس عادت کو چھوڑنے کا وقت تو ایک عرصہ ہوا گزر گیا، اور محض آپ کی خوشنودی کی خاطر وہ اُسے عزیز رکھے ہوئے ہے۔ ——— تو پھر کیوں نہ آپ اس کا علاج کیجیے اور یہ بتائیے کہ آپ کو اس پر پیار اس توتلے پن کی وجہ سے نہیں آتا ہے بلکہ وہ کچھ اور ہی چیزیں ہیں۔

مگر ایسا بھی نہ کیجیے کہ اُسے ایسا بزرگ اور عمر رسیدہ سمجھنے لگیے کہ وہ توتلائے اور آپ وعظ کہنا شروع کر دیں ——— اس طرح تو آپ اس کو وقت سے پہلے بڑا ثابت کرنے کی کوشش کریں گی، اور وہ اس کے لیے تیار نہ ہوگا کہ اپنے بچپن سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مثلاً ایسے والدین جو اپنے بچوں کو ہر وقت غیرت دلایا کرتے ہیں اور شرم دلایا کرتے ہیں کہ "تو اتنا بڑا ہو گیا، اور تجھے تمیز نہیں آئی" "تو مرد ہو کر تجھے شرم نہیں آتی" وغیرہ وغیرہ تو وہ سوچنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا وہ واقعی بڑا ہو گیا ہے۔ لیکن جب وہ اپنے ہمجولیوں پر نظر ڈالتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ان کے ساتھ بچوں کا سا برتاؤ ہو رہا ہے۔ اب وہ یہ فیصلہ کرنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ بھی اپنے والدین پر ثابت کرے کہ وہ ابھی بچہ ہے۔ چنانچہ اس کے لیے ایک طریقہ جو وہ اختیار کرتا ہے وہ توتلانا ہی ہے۔ ایسے ہی وہ بچے جو ابھی دو ڈھائی سال ہی کے ہوتے ہیں لیکن گھر میں ایک مُنے بھائی کے آجانے کی وجہ سے اس محبت کے مستحق نہیں رہتے ہیں جو اُن کو پہلے

حاصل تھی، اور پھر اس پر طرّہ یہ ہوتا ہے کہ گھر والے اس سے کہتے رہتے ہیں۔ "دیکھو تم مان جاؤ، تم تو بڑے ہو اور منّا چھوٹا ہے" مگر وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہے اور منّا چھوٹا ہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس سے بھی اتنی ہی محبت کرے جتنی وہ منّے سے کرتی ہے چنانچہ اپنے کو چھوٹا ثابت کرنے کے لیے وہ تو تلانے لگتا ہے ایسے بچے آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ کیوں کر تو تلانا چھوڑ دیں گے؟ —— اگر انھیں بچہ سمجھ لیا جائے! انھیں ان کی کھوئی ہوئی محبت مل جائے!

چنانچہ ان کا علاج ان کی عمر اور اُن کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر کیجیے۔

اب آیئے اس بارے میں سوچیں کہ بچہ ہکلانے کیوں لگتا ہے؟ فطری نقص کو اس معاملے میں بھی مجبوری سمجھ کر صابر و شاکر ہو جایئے لیکن ان ہکلے بچوں سے غافل نہ ہویئے، جو بعد میں اس بُری عادت کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ان سطروں میں ہم ایسے ہی بچوں سے سروکار رکھیں گے۔

چار پانچ سال کی عمر تک بچہ تقریباً دو بار ضرور ہکلاتا ہے۔ یہ اس کے لیے فطری ہے اور ضروری ہے —— اپنے بچے پر غور کیجیے —— جب وہ ایک ایک لفظ "مم"۔ "ددی" "با" "ابّو"۔ "ڈوڈو"۔ "کہنے کے بعد اُن سے جملے بنانے کی مشق کرنے لگتا ہے اور "لوٹی لاؤ"۔ "مم ڈو بیں"۔ وغیرہ بولنا چاہتا ہے۔ تو آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتا ہے۔ اکثر یہ جملے پورے کرنا بڑا وقت لے لیتا ہے، اور صاف ظاہر ہونے لگتا ہے کہ وہ ہکلا رہا ہے، اس کی یہ ہکلاہٹ تین، چار، پانچ، چھ ہفتے ہی رہتی ہے۔ لیکن اگر

اس وقت آپ ہوشیاری سے کام نہ لیں تو اس کے ہکلے ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

سب سے پہلا کام جو آپ اس کے لیے کریں وہ یہ ہے کہ جب وہ جملوں پر اٹکنے لگے، اور لفظ جلدی اس کے ذہن میں نہ آسکے تو آپ اس کی مناسب موقع پر مدد کریں، اور خود لفظ بتا دیں۔ اس طرح وہ اپنا جملہ بہت جلد پورا کر سکے گا، اور اُسے ہکلانا نہ پڑے گا۔ مگر اس کا خیال رکھیے کہ ہر وقت آپ ہی لقمہ نہ دیتی رہیں۔

دوسرے اس کا خیال رکھیں کہ جن لفظوں کو کہتے ہوئے وہ ہکلاتا ہے انھیں اسے کہنے کے لیے مجبور نہ کیجیے۔ اگر وہ نہ کہہ سکا اور شکست مان لی تو پھر سمجھ لیجیے کہ وہ عمر بھر کے لیے ہکلا ہو گیا —— کیا کہا آپ نے؟ — یہ میں نے بڑی عجیب بات کہی؟ —— اجی نہیں! آپ ان لوگوں کی مثال کیوں سامنے رکھتی ہیں جو زبردستی بچے کی زبان کو مداری کا کھیل بنانے پر مجبور کرتے ہیں؟ وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ جس لفظ کی مشق بچہ کرے گا وہ اس کو ضرور آئے گا۔ انھیں یہ کیا معلوم کہ اگر بچے کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ وہ ہکلا ہے اور یہ مجبوری ہے تو پھر وہ کبھی بھی صحیح بول کر نہ دے گا۔

آپ اُسے یہ احساس ہی کیوں دلائیں کہ وہ ہکلا ہے۔ اس سے آپ کا کیا فائدہ ہے؟ یا اس کو کیا فائدہ ہو گا؟

لیکن جب یہ زمانہ گزر جائے گا تو پھر ایک بار آپ کو چار پانچ سال کی عمر میں اس کے اسی نقص کا سامنا کرنا پڑے گا، اور دراصل یہ وہ زمانہ

ہوگا جب آپ کو بے انتہا احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ اگر اس زمانہ میں آپ کی توجہ میں کمی رہ گئی تو سمجھ لیجئے کہ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔

ہوتا یہ ہے کہ چار یا پانچ سال کی عمر میں بچے کے پاس خیالات تو بہت سے ہوتے ہیں، لیکن الفاظ اتنے نہیں ہوتے کہ وہ اپنے خیالات کو روانی کے ساتھ ادا کر سکے۔ چنانچہ تھوڑا بہت کہنے کے بعد اسے اور الفاظ سوچنے کے لیے رُکنا پڑتا ہے، یہ رُکنا ہی اس کی ہکلاہٹ ہوتی ہے ـــــ آپ بھی تو بعض اوقات بات کرتے کرتے ایک دم ہکلانا شروع کر دیتی ہیں، اور لاکھ کوشش کرتی ہیں کہ کوئی لفظ آپ کی زبان تک آجائے اور جملہ پورا ہو جائے، مگر وہ لفظ ہے کہ کسی طرح منھ تک آتا ہی نہیں! ـــــ یہی کیفیت اس چار پانچ سال کے بچہ کی ہوتی ہے ایسے وقت پھر آپ ان ہی باتوں کا خیال رکھیں جن کا آپ پہلی بار کے ہکلے پن میں خیال رکھ چکی ہیں۔ یعنی اس کو لفظوں کی کمی کی شکایت نہ ہونے دیں اور اُسے خود ہکلا نہ سمجھنے دیں۔ یوں اس کی شکایت خود بخود دور ہو جائے گی۔

مگر ابھی کچھ اور وجہیں بھی بتانی ہیں جو بچے کو ہکلا بنا دیتی ہیں ان پر بھی غور کرنی چاہئے۔

جو بچے بڑی جلدی جوش میں آجاتے ہیں اُن کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ بات کرتے کرتے ہکلے ہو جاتے ہیں اور پھر ایک وقت وہ آتا ہے جب یہ ان کی عادت بن جاتی ہے۔ اس کا علاج تو آپ جان ہی گئی ہوں گی! ـــــ بڑا آسان ہے! ـــــ بچے کو جوش میں نہ آنے دیجئے، ہکلاپن پروان نہ

چڑھ سکے گا، اور جوش میں آنا یوں بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

ایسا بچہ جو کسی چیز سے خوف کھا جاتا ہے وہ اس کی موجودگی میں ہکلانے لگتا ہے۔ اب اگر وہ خوف دلانے والی چیز جلد جلد اس کے سامنے آیا کرے تو وہ مستقلاً ہکلا ہو جائے گا۔ مثلاً بچہ اگر کسی شخص سے بہت زیادہ ڈرتا ہے تو وہ اس کی موجودگی میں بول نہ سکے گا۔ اور اگر بولنا چاہے گا تو اس کو الفاظ میسّر آئیں گے، اور وہ ہکلانے لگے گا۔ ایسی صورت میں چاہیئے کہ بچے کے خوف اور ڈر کو رفتہ رفتہ کم کیا جائے۔ ایسا شخص جس سے بچہ ڈرتا ہے وہ بچے کو بولنے پر مجبور نہ کرے، وہ بچے کے ساتھ خوشی سے پیش آئے۔ بچہ خود بخود ہکلانا چھوڑ دیگا۔

ایسے بچے جن کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر سزا ملتی رہتی ہے اور ان کے ساتھ کوئی ہنس بول کر بات کرنے والا نہیں ہوتا ہے، ہکلانے لگتے ہیں، ان کی اس تنہائی کو دُور کر دیجئے، وہ ہکلانا چھوڑ دیں گے۔

ہاں یہ بھی ہے کہ جس طرح بچہ اپنی اہمیت کو کھو کر توتلانا شروع کر دیتا ہے اور نئے آنے والے "مُنّے" کے برابر چھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح وہ اس محبت اور توجہ کی کمی کی وجہ سے ہکلانے بھی لگتا ہے۔ وہ اپنی اہمیت جتانے کے لیے جلد جلد بولنے کی کوشش کرتا ہے، اونچا بولنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی جوش میں بھی آجاتا ہے، یا پھر بوکھلائی بوکھلائی گفتگو کرنے لگتا ہے ـــــ یہ محض اس وجہ سے کہ آپ اس کو پھر سے اپنا پیارا بچہ مان لیں چنانچہ نتیجہ میں وہ ہکلا ہو جاتا ہے ـــــ ایسے بچے کا علاج یہی ہے کہ اس کے حصہ کی محبت اس کو پوری مل جائے، پھر وہ نہ ہکلائے گا۔

جب بچے ہکلانے لگتے ہیں تو گھر والوں پر نہ معلوم کیوں بوکھلاہٹ طاری ہوجاتی ہے، اور سب کے سب ہکلے پن کے پیچھے اس طرح پنجے جھاڑ کر پڑجاتے ہیں، جیسے اُس ناخواندہ مہمان کو فوراً کے فوراً نکال باہر کرکے چھوڑیں گے ـــــــ لیکن ٹھہریئے اُسے اپنا بوریہ بستر باندھ لینے دیجئے!

کیا واہیات ؟ نہیں محترمہ! میں سچ کہہ رہا ہوں، بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ غور کیجئے یونہی تو ہوتا ہے ناکہ جیسے ہی بچہ ہکلایا فوراً کسی نے ٹوک دیا۔ "پھر تو ہکلایا؟ ـــــــ نہ چھوڑے گا اپنی عادت؟" بھلا ایسے بھی کہیں ہکلانا چھوٹتا ہے؟ اگر یوں یہ نقص دور ہوجاتا تو شاید دنیا میں کوئی ہکلا ہی نہ ہوتا ـــــــ اس کے علاج کا تو مناسب طریقہ یہی ہے کہ پہلے مرض کی وجہ معلوم کی جائے اور اس کے بعد اسے دُور کرنے کی کوشش کی جائے۔

ہاں! تو آپ اپنے بچے کو یا کسی بچے کو اُس کے ہکلے پن پر نہ ٹوکیے گا۔ اور ہکلے بچے کو چڑھانا بھی تو اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح وہ شرمندگی محسوس کرتا ہے اور خود کو اس کی اصلاح کے لیے مجبور پاکر اپنی ناکامی پر تکیہ کرلیتا ہے۔ چنانچہ وہ عمر بھر کے لیے ہکلا ہوجاتا ہے اور پھر کسی کی نقل اتارنا اسلامی نقطۂ نظر سے کب صحیح ہے؟

چند لفظوں میں

- جب بچہ کسی مشکل میں گرفتار ہوجائے تو سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ وہ اس مشکل کا مقابلہ کس طرح کررہا ہے۔ اگر یہ مقابلہ وہ غلط طریقے

سے کر رہا ہے تو اُس کی رہنمائی کیجئے۔

○ بچہ جب سوچنا شروع کرتا ہے تو مشکلات ضرور پیش آتی ہیں۔ آپ کا کام صبر و استقامت سے اُس کی طرف توجہ دینا ہے۔

دودھ چھڑانا

○ خیال رکھیے کہ بچہ دُودھ پیتے وقت آپ کے پیار سے تھپکنے، لوریوں یا محبت سے بھری گود سے بھی لطف حاصل کرتا ہے۔ کہیں آپ اسے ان چیزوں سے محروم تو نہیں کر رہی ہیں؟

○ دو سال سے زیادہ عمر تک دودھ پلاتے رہنے سے بچے کی خود اعتمادی پر اثر پڑتا ہے۔ اس میں غیر ذمہ داری اور بے پروائی پیدا ہو جاتی ہے۔

○ وقت سے بہت پہلے دودھ چھڑا دینے اور توجہ کم کر دینے کی وجہ سے بچہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت خوف زدہ سا رہنے لگتا ہے۔

○ دودھ چھڑاتے وقت کسی طرح یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ آپ کی محبت میں کمی ہو رہی ہے۔

○ جب وہ اپنے دانت استعمال کرنے کے قابل ہو جائے تو اپنے دانتوں کو کام میں لانے کے لیے اُس کی ہمت افزائی کریں۔

بستر خراب کرنا

○ ضروریات سے فارغ ہونے کے سلیقہ کی عادت ڈالنے کے لیے بچہ کی اُس وقت فوراً مدد کیجئے جب وہ حاجت محسوس کر رہا ہو۔

○ سونے سے پہلے بچہ کو پیشاب وغیرہ سے فارغ کرا دیجئے۔

○ بچہ اگر خوف سے پیشاب کر دیتا ہے تو اُسے سرزنش کرنے کے بجائے خوف سے نجات دلایئے۔

○ بچہ کی ذات میں دلچسپی لیجئے، اگر وہ ڈرنے یا غلط عادت کی وجہ سے بستر پر پیشاب کر دیتا ہے۔

○ بستر خراب کر دینے والے بچہ کو صفائی ستھرائی کی برابر تلقین کرتی رہیے تاکہ وہ اپنے غلط طرزِ عمل کی برائی سمجھ سکے۔

○ بستر پر پیشاب کر دینے والے بچہ کا مذاق نہ اڑایئے، اسکی شخصیت مجروح ہوگی اور اس میں کوئی دوسری خرابی پیدا ہو جائے گی۔

توتلانا اور ہکلانا

○ توتلے پن، یا ہکلے پن کی مستقل نقل سے نقص پیدا ہو جاتے ہیں۔ خیال رکھیے۔

○ بچہ کو توتلی زبان کے بجائے صحیح زبان سکھایئے، ورنہ وہ آپ کی خوشنودی کے لیئے توتلا ہو جائے گا۔

○ بچّہ اگر دوبارہ توتلے پن کی طرف لوٹ رہا ہے، تو وہ آپ کی محبت چاہتا ہے۔ اُس کو پہلی سی محبّت پھر چاہیئے۔

○ گھبرایئے نہیں، پانچ سال کی عمر تک بچہ دوبارہ ہکلاتا ہے۔ مگر یہ عرصہ صرف چند ہفتوں کا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ آپ توجہ اور استقلال سے کام لیں۔

○ جب بچہ مناسب لفظ کی تلاش میں ہکلانے لگے تو آپ فوراً وہ لفظ اُسے فراہم کر دیں۔

○ جن الفاظ کو ادا کرتے ہوئے بچّہ ہکلانے لگتا ہے اُنھیں بار بار کہنے پر مجبور نہ کریں۔

○ بچّے کے جذبات کو محبّت کی کمی، خوف، غصّہ یا خوشی کی وجہ سے بے انتہا بھڑکنے کا موقع نہ دیں، ورنہ خطرہ ہے کہ وہ ہکلانے لگے۔

○ ہکلاتے وقت بچے کو ٹوکیے نہیں چڑھائیے نہیں، ورنہ کم ہمّت ہو جائے گا، اور اپنی عادت نہ چھوڑ سکے گا۔

بچّہ کی ناشائستہ حرکتیں

ابھی تک بچے کی جن ناپسندیدہ حرکتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ وہی ساری کی ساری نہیں ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی ہیں جو آپ کے لیے خلجان بن جاتی ہیں، اور ناشائستہ حرکتوں میں سب سے زیادہ فکر کا باعث تو وہ ہیں کہ جن کو آپ ہر طرح سے بچے کی ذات سے دور کرنا چاہتی ہیں، لیکن بچہ ہے کہ وہ اُن سے اور بھی زیادہ چمٹتا چلا جاتا ہے۔ آپ چاہتی ہیں کہ دوبارہ وہ شرارت نہ کرے، لیکن وہ آپ کی سخت سے سخت تادیب کو بھول جاتا ہے اور وہی کچھ کر گزرتا ہے۔ کبھی تو شاید آپ کو ایسا احساس بھی ہونے لگتا ہے کہ جیسے بچّہ اس حرکت کو اچانک کر گیا ہو۔ اور کر گزرنے کے بعد اس کو بے حد قلق ہو رہا ہو مگر یہ کیوں ہے؟ اور کیا یہ دور نہیں ہو سکتا؟ بارہا آپ نے اس طرح سوچا ہو گا اور سوچتی ہیں۔ لیکن کوئی حل نظر نہیں آتا۔

اب میں ان ناشائستہ حرکات کی وجوہ اور ان کے حل کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں ان اہم باتوں کی

طرف آپ کو متوجہ کروں چند ایک اس سے بھی زیادہ اہم باتیں آپ کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ گویا یہ وہ آلہ ہیں جس کے ذریعہ آپ صحیح طور پر دیکھ سکیں گی کہ اس کی کون سی حرکت واقعی ناشائستہ ہے؟ اور کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ اس کی بچپن کی بھولی بھالی باتوں کو بھی معیوب قرار دیئے دے رہی ہیں۔

ایک محترمہ ایک بار اپنے کسی عزیز کے یہاں ملنے کے لیے گئیں، اس میزبان خاندان میں حسنِ اتفاق سے کوئی کم عمر بچہ نہیں تھا اور وہ لوگ معصوم بچوں کی پیاری پیاری باتوں کے ہمیشہ متمنی رہا کرتے تھے۔ جب ان محترمہ کے ساتھ اُن کی چھوٹی بچی بھی اُن کے یہاں پہنچی، تو انھیں بڑی خوشی ہوئی۔ وہ سب برابر یہ کوشش کرتے رہے کہ بچی اُن کے ساتھ بے تکلف ہو جائے۔ چنانچہ وہ اُسے کھانے پینے کی چیزیں پیش کرتے رہے اور مختلف طرح کی باتوں کے لیے اُکساتے رہے، لیکن یہ محترمہ کچھ اس قدر بچی کی طرف سے نالاں تھیں کہ جہاں اُس نے کوئی بات کی فوراً اُگھڑکی سُنائی۔ "بد تمیز کہیں کی، کترنی سی زبان چلائے جا رہی ہے" اور پھر میزبانوں سے کہتیں "کیا بتائیں بہن! اس چڑیل کی وجہ سے ہی تو میں نے سب کہیں کا آنا جانا ترک کر دیا ہے۔ جہاں جاتی ہے، تمیز سے پیش ہی نہیں آتی ہے۔ بس اس کی وجہ سے مارے شرمندگی کے سر نیچا ہو جاتا ہے" یا پھر جیسے ہی کسی نے اُسے کوئی چیز دینی چاہی اور اس نے لینے کا ارادہ ظاہر کیا اور یہ برس پڑیں "چل وہاں سے ندیدی کہیں کی معلوم ہوتا ہے کبھی آنکھوں

سے دیکھا ہی نہیں ہے۔ تو تو ہر جگہ مجھے ذلیل کرانے پر تلی ہوئی ہے "۔
اب آپ ہی بتلایئے کہ محترمہ کس آنکھ سے اس بچی کی تمام حرکتوں کو دیکھ رہی ہیں؟ اور کیا ان کا یہ سوچنا کہ بچّی کی ہر حرکت ناشائستہ ہے، درست ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بچی کی تمام حرکات کو بچکانہ حرکات سمجھ کر توجّہ دینا بے حد ضروری ہوگا۔ ورنہ بہت بڑا خسارہ اٹھانا پڑے گا۔
یہ بات بھی ذہن میں رکھنا بے حد ضروری ہے کہ وہ بچہ جو بالکل گم سُم اور سیدھا سادہ رہتا ہے، دراصل اس میں کوئی نقص یا خرابی ہے بچپن کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ بچے کی نس نس میں چلبلاہٹ، اور پھرتیلا پن بھرا رہتا ہے، اور وہ اس کی بنا پر اس قدر مجبور ہوتا ہے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتا ہی رہتا ہے۔ اب اگر وہ خاموش بیٹھا رہا، اور بڑا سیدھا سادہ یا بھولا بھالا بنا رہا تو سمجھ لیجیے کہ بچپن کی وہ چلبلاہٹ اور پھرتیلا پن جو اس کے ہاتھوں کو، دماغ کو، نظر کو اور دوسرے تمام متوجہ ہونے والے اعضاء کو مشغول رکھتی ہے، لاپتہ ہے۔ اس لیے اس کو کم از کم اتنا موقع تو ملے کہ وہ اپنے اُن اعضاء کو جو اُسے بے چین رکھتے ہیں استعمال کر سکے۔ یہ بات تو بڑے تفصیل سے بیان کرنے کی ہے، اس لیے فی الحال آیئے ان باتوں پر غور کریں جن کی آپ اس وقت ضرورت محسوس کر رہی ہیں۔

بچّہ اور سزا

۹۱ (ایک مرتبہ بہت سے بچے جمع ہوئے تو اُن کو ایک کہانی سنائی گئی۔

کہانی زیادہ لمبی چوڑی نہیں ہے۔ اس لیے آپ بھی سُن لیجئے:۔
ایک بچہ اپنے کھلونوں سے کھیل رہا تھا، اس کی ماں نے اُس سے کہا کہ جاؤ بازار سے ترکاری لے آؤ، تمہارے ابا آتے ہوں گے، آتے ہی کھانا طلب کریں گے۔ بچّہ کھیل تو رہا ہی تھا۔ ماں کی بات پر دھیان نہیں دیا اور ٹال گیا۔ جب اس کا باپ گھر آیا تو اس کی ماں نے اس کی شکایت کی ـــــ اب کہانی کہنے والے نے بچّوں سے کہا کہ اس سے پہلے کہ میں تم کو یہ بتاؤں کہ اس کو کیا سزا دی گئی، تم خود ہی تجویز کرو کہ بچے کو کیا سزا دی جائے؟ اور ہاں یہ بھی سُنو کہ باپ کے ذہن میں تین طرح کی سزائیں تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ اگلے روز بچّہ کو تفریح کے لیے لے جانے والا تھا، تو وہ اُسے نہ لے جائے۔ دوسری یہ کہ وہ ترکاری لانے نہیں گیا تھا اس لیے اس کو کھانے میں ترکاری نہ دی جائے۔ تیسری یہ کہ جب اُس نے بڑوں کے کام کرنے سے انکار کر دیا، تو بڑے کیوں اس کا کام کریں؟۔
ان بچوں میں جو چھ سات سال کی عمر سے کم کے ننھے انھوں نے اُس بچے کے واسطے بڑی سخت سزائیں تجویز کیں۔ مثلاً اس کو اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا جائے یا اُس کو اتنا مارا جائے کہ وہ پھر عمر بھر نہ بھولے یا پھر یہ کہ اس کا کھانا بند کر دیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اُس کے ابا جان نے جو سزائیں تجویز کی ہیں اُن میں سے کون سی دی جائے؟ تمام چھوٹے بچوں نے یہ کہا کہ اسے تفریح کے لیے نہ لے جایا جائے، لیکن بڑے بچّوں نے یہ کہا، یا تو اسے ترکاری نہ دی جائے یا اس کا کام نہ کیا

جائے تاکہ اس کو اپنے کیے کی سزا مل جائے اور وہ یہ جان جائے کہ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔

اب آپ کو شاید اچھی طرح علم ہوگیا ہوکہ چھوٹے بچے نافرمانی اور حکم عدولی کو کتنا بڑا جرم سمجھتے ہیں؟ اور بزرگوں کا کہنا ماننا کتنا ضروری خیال کرتے ہیں؟ لیکن کیا ہم نے کبھی کبھی سوچا ہے کہ سزا ایسی کون سی ضروری چیز ہے؟ ـــــ جی ہاں، جواب تو بڑی جلدی دستیاب ہوگیا! ـــــ بچے کے بھلے کے لیے ہی تو اس کو سزا دی جاتی ہے، ورنہ کسی کو بچے سے بیر تو ہے نہیں!

بات بالکل مناسب ہے سزا ہونی بھی اسی لیے چاہیئے۔ مگر ایک سوال اور بھی ذہن میں ابھر آیا ہے، ذرا اس پر بھی غور کرتی چلیے ـــــ آپ بچہ کو سزا اسی لیے تو دیتی ہیں کہ اس کو اس ناپسندیدہ کام سے نفرت ہوجائے نہ کہ اس ہستی سے جو اس کو سزا دیتی ہے؟

جواب دینے کے لیے تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ یہ سوال مشکل نہیں ہے لیکن جہاں اس کو عمل میں لانے کا مرحلہ پیش آتا ہے، یہ عجب ٹیڑھی کھیر ہے۔ کیسے؟ ـــــ یہ بھی سن لیجئے۔ ایک استاد عام طور سے بچوں کی مرمت کیا کرتے ہیں، اور بعض وقت تو اس قدر مرمت کرتے ہیں کہ بات تو معمولی ہوتی ہے لیکن سزا اتنی سخت ہوتی ہے کہ اللہ کی پناہ! ـــــ ان کے بارے میں ایک بار میں نے بچوں کو کہتے سنا کہ اگر وہ اتنی سزا دیں گے تو ہم کبھی کام نہ کریں گے، کبھی نہ کریں گے، وہ خواہ کتنا ہی مار لیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

جس طرح ہم آپ اپنی عزت رکھتے اور دوسروں کے سامنے رُسوا ہونا پسند نہیں کرتے، اُسی طرح بچّہ بھی اپنی عزت اور اپنا وقار رکھتا ہے۔ اب جب وہ کوئی بُرا کام کرتا ہے تو آپ اُسے سزا دیتی ہیں، گویا اُس کی عزت اور پندار پر زد پڑتی ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ کام اتنا بُرا ہے کہ اس کے بدلے دوسروں کے سامنے اپنی عزت جاتی ہے تو وہ اس کام سے توبہ کر لیتا ہے۔ لیکن جب کوئی بار بار اُس کی عزت پر حملہ کرتا ہے اور بچہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اب دوسروں کی نگاہ میں اس کی کوئی وقعت ہی نہیں رہ گئی ہے تو وہ ڈھیٹ اور بے حیا ہو جاتا ہے، اور اب آپ اُس کو بُرے کام سے نہیں روک سکتیں۔

یہ تو ایک وجہ تھی مستقلاً سزا کے مستحق کام کرنے کی: دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اب اچھی طرح محسوس کرنے لگتا ہے کہ سزا دینے والے کے دل میں اس کے لیے ذرا بھی محبت نہیں رہ گئی ہے۔ پھر آخر وہ کیوں اس سے محبت کا دم بھرتا رہے؟ اس کے ڈراوے میں آتا رہے؟ اور اس کی فرماں برداری کرتا رہے؟

ان حالات میں آپ دیکھتی ہیں کہ سزا دراصل بچے کی خرابی کی موجب بن جاتی ہے۔ وہ بچہ جس کو مار کھانے کی عادت ہو جائے اس کے لیے سزا کوئی بُری چیز نہیں رہ جاتی بلکہ وہ اُسے معمولی سی ایک چیز سمجھنے لگتا ہے۔ آج کل آپ دیکھتی ہیں کہ جیلوں سے کئی کئی سال کی سزائیں کاٹ کر نکلنے والے چور اور ڈاکو اپنے اس بُرے فعل پر اور بھی زیادہ جم جاتے ہیں اور

جب قید سے چھوٹ کرآتے ہیں تو اُن کی زبان سے یہی نعرہ نکلتا ہے کہ اب ڈر کس چیز کا ہے؟ سزا جب ملے گی تو ایسی ہی تو ملے گی جیسی ملی ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا تکلیف دی جائے گی؟ چنانچہ اب وہ مہارت کے ساتھ اور دلیری کے ساتھ اپنا کام کرتے ہیں۔ یہی معاملہ بچے کے ساتھ ہوتا ہے کہ جب اسے جا و بے جا سزا دی جاتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اب سزا اس سے بڑھ کر کیا ہوگی؟ تھوڑی دیر تکلیف ہی سہی۔ اس لیے سزا دیتے ہوئے اس پر پوری طرح غور کر لیجیے کہ آپ سزا اصلاح کے لیے دے رہی ہیں۔

بہتوں کی تو زبان ہی اس فقرہ سے کھلتی ہے کہ "ابھی دوں گی تھپڑ" "جوتی گھسیٹ کر ماروں گی"۔ لیکن بچے کو ہر وقت ہراساں کرتے رہنا کہاں تک درست ہے؟ اس سے بچے پر کیا اثر ہوگا؟ اس پر ذرا بھی غور نہیں کیا جاتا۔

بہت سے بچوں کے ساتھ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ان فقروں کو کہنے والے کا تکیہ کلام سمجھنے لگتے ہیں' اور یہ باور کر لیتے ہیں کہ ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے' یہ تو ہر وقت یہی کہتے رہتے ہیں' لیکن کم ہی اس پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس طرح یہ فقرے اپنا اثر کھو دیتے ہیں اور بچہ سزا کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔

رہ گئے وہ بچے جو ان فقروں کو حقیقت سمجھتے ہیں ان کا عالم دوسرا ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ میں اپنا ایک تجربہ ہی آپ کے سامنے رکھ دوں ——— ایک بزرگ نے مجھ سے ایک بار شکایت کی کہ وہ اپنی

بچی پر کئی سو روپیہ برباد کر چکے ہیں لیکن تین سال سے اُسے ابھی تک حروف پہچاننے نہیں آئے ہیں۔ نہ معلوم کیسی بچی ہے، ایک بات بھی تو اس کے ذہن میں نہیں ٹکتی۔ ایسا کیوں ہے؟ میں نے کچھ دیر بیٹھ کر غور کیا، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اُس گھر کے کونے کونے سے غصّے سے بھری ہوئی "ہائیں" اور "کیوں؟" کی گرج دار آوازیں اُٹھ رہی ہیں، اب بھلا ایسے ماحول میں بچہ اپنے ذہن کو کیسے متوازن رکھ سکے گا؟ —— شاید آپ میری بات سمجھ گئی ہوں۔

یہ سوچنا کہ بچہ کوئی ایسا کام ہی نہ کرے کہ اس کو سزا دینی پڑے انتہائی خطرناک ہے۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ آپ بعض اوقات اپنی سزاؤں کو روک لیں۔ بچہ ہر شرارت جان بوجھ کر نہیں کرتا۔ بعض حادثے تو اُس سے اس طرح ہو جاتے ہیں کہ اُن کے ہونے سے پہلے اُسے ان کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

ایک صاحب نے اس سلسلہ میں بڑا اچھا واقعہ بیان کیا تھا

ایک بچے نے اپنے ابا جان کی میز پر دیکھا کہ قلم دان میں سیاہ اور سُرخ دواتیں قلم، پنسل، ربڑ، کاغذ تراش وغیرہ رکھے ہوئے ہیں بچہ اپنے باپ کی غیر موجودگی میں ان چیزوں کو اٹھا لیتا ہے اور اپنی اسی عادت کے مطابق جس کا تذکرہ کئی بار ہو چکا ہے کہ وہ چیزوں کے بارے میں معلوم کرے کہ وہ کیا ہیں؟ وہ انھیں اُلٹتا پلٹتا ہے۔ دوات کو اپنے ہاتھ پر انڈیلتا ہے۔ روشنائی اس کے ہاتھوں پر سے بہتی ہوئی کاغذ، قلمدان اور میز پوش کا ستیاناس کر دیتی ہے، بچے کو تو اس کی خبر بھی نہ تھی کہ یہ سب کچھ ہو جائیگا۔

وہ گھبرایا ہوا جلدی سے ہاتھ میں لگی ہوئی روشنائی کو قمیص کے دامن میں پونچھ لیتا ہے۔ پھر گوشمالی کے خوف سے ادھر ادھر گری ہوئی روشنائی کو کاغذ کے ٹکڑوں سے جلد جلد پونچھ کر صاف کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

اب آپ بھی خود غور کریں ایسے بچے کو سزا دینا گویا اس کو اور زیادہ خوف زدہ کر دینا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کو سزا دینا اس کے ساتھ زیادتی نہ ہو گی؟

بچہ کو جب ایک ناپسندیدہ کام پر سزا دی جاتی ہے تو وہ کچھ دنوں کے لیے اس کام سے دست بردار ہو جاتا ہے، لیکن پھر ایک دن وہ اس کام کو کر جاتا ہے، اور اس کے والدین یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اس نے عمداً ایسا کیا ہے۔ چنانچہ اسے پھر سزا دے ڈالی جاتی ہے اور ساتھ ہی بے حیا، بے غیرت وغیرہ بھی بنا ڈالا جاتا ہے۔ حالانکہ بچہ اپنے دل میں یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ میں تو ایسا غلطی سے کر گیا۔ ایسے وقت اس پر ضرورت سے زیادہ عتاب اس کے لیے مناسب نہ ہو گا۔

سزا کا ضرورت سے زیادہ ہونا کبھی بھی مناسب نہیں ہے۔ جہاں تک ہو سزا دینے کے بجائے ایسے طریقے استعمال کئے جائیں کہ بچہ خود اس کام سے نفرت کرنے لگے۔ اگر اس نے غلطی سے کوئی ناپسندیدہ کام کیا ہے اور اس کو اپنی غلطی کا احساس بھی ہے تو اس کو معاف کر دیجیے۔ اگر اس کے لیے یہ بات ناقابل برداشت ہو کہ اس کے برے کام سے اللہ میاں خفا ہو جائیں گے، اور اللہ میاں کی خفگی بڑی بھاری خفگی ہے تو اسی پر بس کیجیے۔

لیکن جب آپ بچے سے یہ کہہ دیں کہ "اگر تم نے فلاں کام کیا تو میں تم کو پیٹوں گی"۔ اور پھر وہ اس کام کو کر گزرے تو آپ ضرور سزا دیں۔ ایسے موقعوں پر گریز یا چشم پوشی سے جانتی ہیں کیا ہوگا؟ ——— بچہ یہ سمجھ لیگا یہ کوئی ایسی بات نہ تھی۔ امی نے یوں ہی کہہ دیا تھا، اور آئندہ بھی وہ کچھ نہ بولیں گی۔ بس یہی رجحان بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ دوسرے یہ بھی تو ہوتا ہے کہ وہ آپ کے اس عمل سے عہد کی پابندی میں کمزوری کا سبق سیکھ لیتا ہے۔

ہمارے گھرانوں میں سزا کا ایک نرالا انداز پایا جاتا ہے جو شاید دنیا کے کسی اور خطہ میں رائج نہ ہو۔ آپ تعجب کریں گی کہ آخر وہ کون سی سزا ہے جس کا وجود دنیا کے کسی اور خطہ میں نہیں؟ لیجئے آپ بھی سنئے:۔

بچہ جب کوئی ایسی خطا کرتا ہے کہ اس پر تنبیہ کے طور پر سزا ضرور دی جائے۔ مثلاً وہ دن بھر گھر سے غائب رہا ہے، اور جب شام کو ابا جان کے آنے کا وقت ہوا تو واپس آیا ہے۔ ماں اس سے لاکھ پوچھتی ہے کہ وہ دن بھر کہاں رہا ہے؟ لیکن وہ جواب ہی نہیں دیتا ہے۔ آخر کار ماں زچ ہو کر باپ سے شکایت کرنے کی دھمکی دیتی ہے، لیکن پھر بھی بچہ کچھ نہیں بتاتا۔ اور جب باپ آتا ہے تو ماں شکایت بھی کر دیتی ہے، باپ بچے کی اس حرکت کو انتہائی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کو سزا دینے کے لیے اُٹھتا ہے لیکن عین اس وقت اماں جان کے دل میں بچہ کی محبت جوش مارتی ہے اور وہ بچہ کو بچانے اور چھپانے کی کوشش کرتی

ہیں، خود اس کی طرف سے معافی بھی مانگتی ہیں۔ غرض طرح طرح کی لغویات کر ڈالتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچّے کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ جب تک اس کی امّی جان زندہ ہیں اس کو سزا نہیں دی جاسکتی، اور اماں جان سمجھتی ہیں کہ میں نے اپنی محبّت کا حق ادا کر دیا، حالانکہ ان کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی کہ اس طرح وہ بچّے کو اکثر بُری حرکات کرنے کی آزادی بخش دیتی ہیں۔

میری نظر میں ایسی اکثر مائیں ہیں جن کے اس غلط طرح کے رویّہ نے بچّوں میں بعض اخلاقی برائیاں تک پیدا کر دی ہیں۔ ماں کو چاہیئے تو یہ تھا کہ یا تو وہ خود بچّہ کو سُدھار لیتی، اُسے کچھ سزا دے دیتی یا پھر باپ کی تنبیہ میں دخل انداز نہ ہوتی۔ لیکن وہ اتنی دُور کی بہت کم سوچتی ہیں۔ بچوں کے معافی مانگنے پر اُن کو معاف کر دینا بھی ایک طرح کی سزا ہے۔ مُراد یہ نہیں کہ یہ بُرا ہے بلکہ یہ بڑی اچھی سزا ہے۔ بچہ جب اپنے کیے پر شرمندہ ہوتا ہے اور معافی مانگتا ہے تو اس کے معنیٰ ہی یہ ہوتے ہیں کہ وہ پہلے ہی اصلاح کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اب اگر اس پر بھی سزا دی گئی تو یہ بچے کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

اس طرح یہ بات اب واضح ہو جاتی ہے کہ سزا سے جہاں ہم بچّوں کو سُدھار سکتے ہیں وہاں ان کو بگاڑ بھی سکتے ہیں، اور بگاڑنے سے یہ لاکھ درجہ بہتر ہے کہ ہم اُن کو سُدھاریں۔

بچّوں کی ضِد

ایک ماں اپنی بچی کی اس حرکت سے عاجز آگئی تھی کہ جس کام سے وہ اس کو منع کرتی وہ اس کو ضرور کرتی۔ اگر اس کے ساتھ سختی کی جاتی تو وہ پھر چھپ کر اس کام کو کرتی۔ اب ایسی بچی کے ساتھ وہ کیا کرے؟ یہ اس کا دل ہی جانتا ہوگا۔ لیکن ہمارے بعض گھروں میں بھی بچے کی یہی حرکت بڑی تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔

بچوں کی یہ حرکت جس قدر تکلیف دہ ہے، اسی قدر یہ سادہ بھی ہے اور اس کا دور کرنا بھی اتنا ہی آسان ہے۔ یہ نقص بچوں میں کیوں کر پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر ہم اس لحاظ سے اس پر غور کرلیں تو اس کا دور کرنا بھی ہمارے لیے آسان ہوگا۔

بچوں میں ضد عام طور سے دو طرح سے پیدا ہوتی ہے:۔

اوّلاً اس طرح کہ بچہ کسی کام میں مشغول ہوتا ہے اور اچانک اس کو اس سے روک دیا جاتا ہے، اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ اسے کیوں منع کیا گیا؟ اس کے کرنے میں آخر کیا قباحت ہے؟ جب اُس کا ننھا سا ذہن اپنے سوالوں کے جواب نہیں پاتا ہے تو وہ دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے، اِدھر گھر والے سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ ضد اختیار کر رہا ہے، اس لیے اُسے اس سے باز رکھنے کے لئے سزا دینے تک کی نوبت آجاتی ہے۔ بچہ جب سزا پاتا ہے تو بلا قصور پٹ جانا اس کو اور بھی ناگوار

گزرتا ہے۔ آخر کوئی وجہ بھی تو ہو؟ مگر وجہ اس کو بتائی کہاں گئی؟ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اب جو مجھ کو بلا وجہ سزا دی گئی ہے تو میں اسے ضرور کروں گا' دیکھوں کہاں تک سزا دیں گے یہ لوگ؟

معاملہ اس قدر الجھ گیا' حالانکہ بات بڑی معمولی سی تھی۔ اگر اس سے یہ کہہ دیا جاتا کہ "میاں بجلی کے تاروں کو چھوؤ گے تو ہاتھوں میں جھٹکا لگے گا زور کا"۔ لیکن اس پر بھی وہ نہیں مانتا ہے' متعدد بار اس کی کوشش کرتا ہے کہ تاروں کو چھوئے' تو آپ کسی دن ہوشیار رہتے ہوئے اس کی اس خواہش سے چشم پوشی کریں' اسے تار چھو لینے دیں (میری مراد یہ نہیں کہ آپ اس طرح اس کو موت کے حوالے ہی کر دیں خدانخواستہ! بلکہ ایک معمولی سا جھٹکا پہنچ جانے دیں ———) اسے خود ہی تجربہ ہو جائے گا اور آیندہ آپ پر اعتبار کرے گا۔

لیکن اگر بچے کی ضد پر اپنی ضد کو مقدم رکھا گیا تو بڑی مشکل ہو جائے گی آپ بہت سی باتوں کا آگا پیچھا سوچ سکتے ہیں۔ لیکن بچے کا چھوٹا سا ذہن ابھی اتنی صلاحیت کہاں رکھتا ہے کہ آپ کی طرح بہت کچھ سوچ جائے؟ وہ تو اکثر وقت کے وقت چیزوں سے نمٹنے کی کوشش کرے گا۔ آپ ضد کریں گی تو وہ اور بھی ضد کرے گا' یہاں تک کہ وہ اپنی بات پر پوری طرح اڑ جائے گا۔ آپ اگر اپنے اندر تھوڑی سی لچک پیدا کریں گی تو وہ بھی اپنے اندر لچک پیدا کرے گا۔

بچہ ضد اس لیے تو نہیں کرتا کہ وہ بات کو غلط بھی سمجھتا ہو اور

پھر بھی اُسے اپنائے رہے یہ اور بات ہے کہ آپ کی ضد کی وجہ سے وہ ضد کرنا اپنی خصلت بنالے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بچے کی ضد کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ کسی بات کو صحیح سمجھ رہا ہے اور اُس پر جما ہوا ہے۔ ہم آپ سبھی یہ کرتے ہیں کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اُس سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرتے، پھر آخر وہ کیوں فطرت کے خلاف کرے؟ اللہ تعالیٰ نے تو یہ صفت رکھی ہی اس لیے ہے کہ انسان اگر خیر کو اپنائے تو خیر کا ہو رہے، اور اگر شر کو اپنائے تو شر کا ہو رہے، اس طرح اگر سرے سے بچے میں یہ صفت ہی نہ ہو تو وہ آیندہ زندگی میں کیسے کسی ایک رُخ پر اطمینانِ قلب کے ساتھ جم سکے گا؟ اس لیے بجائے اس کے کہ اُس کے سامنے ضد پر تبرّا کیا جائے اس کی ضد کو کسی اور طرف موڑ دیا جائے۔

ضد کے سلسلہ میں دوسری بات جو مجھے کہنی تھی، وہ یہ ہے کہ جب بچہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اب گھر والے اس کی طرف سے آہستہ آہستہ غافل ہونے لگے ہیں، اور اب اُن کی نظر میں اُس کی وہ اہمیت باقی نہیں رہ گئی ہے جو پہلے تھی۔ تو وہ دوبارہ اپنی ذات میں دوسروں کے لیے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ضد کرنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بچہ ضد کرکے زمین پر لوٹ جائے گا تو آپ اسے ضرور اٹھائیں گی، خواہ پھر آپ اس کی اچھی طرح مرمت ہی کردیں۔ لیکن وہ اسی کو بسا غنیمت سمجھنے لگتا ہے کہ آپ نے اسے اس قابل تو سمجھا کہ زمین سے اُٹھائیں، اور آپ کی مار؟ —— جب پیار نصیب نہ ہو تو کیا بچہ مار کو بھی اپنی خوش نصیبی نہ

سمجھے؟

ہم میں سے کتنے ہی ایسے ہیں جو اگر اپنی اس زندگی پر نظر ڈالیں جب وہ ضدیں کرتے تھے، تو وہ دیکھیں گے کہ جب اُن کا تذکرہ دوسروں کے سامنے ان الفاظ میں کیا جاتا تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہی ضدی ہے، تو اُن کو ایک طرح کا اطمینان محسوس ہوا کرتا تھا کہ چلو ہمارا تذکرہ تو ہو گیا۔ اچھا نہ سہی بُرا سہی۔ یہ لوگ جو آج ہمارے اردگرد طرح طرح کی بدعنوانیاں پھیلا رہے ہیں، اُن میں سے نہ معلوم کتنے ایسے ہیں جو ضدی بچوں کی طرح خود کو مشہور کر رہے ہیں۔

اس طرح کی غلط شہرت سے ہمیں بچوں کو ہمیشہ بچاتے رہنا چاہیے۔ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ بچہ یہ کیوں محسوس کرنے لگا ہے کہ دوسرے اس کی طرف سے غافل ہوتے چلے جا رہے ہیں، اور اگر اس کی شکایت درست ہے تو پھر کوشش کر کے اسے رفع کیا جائے۔

اگر ضد بیماری اور کمزوری کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے تو اس کا علاج کیجیے، اور غذاؤں میں اس کے لیے ایسی چیزیں فراہم کرائیے کہ وہ توانا اور تندرست ہو سکے۔ اور بات بات میں چڑچڑے پن کا اظہار نہ کر سکے۔

بہت سے لوگ نہ معلوم کیوں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ضد کا علاج صرف یہ ہے کہ بچے کی ضد خواہ جا ہو یا بے جا، پوری کر دی جائے۔ اس طرح ایک خرابی تو یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ بچہ سہل انگار ہو جاتا ہے، اور ذرا ذرا سی چیز کے لیے مچل جانا آسان سمجھنے لگتا ہے۔ دوسرے اُس کی ضدوں کا

سلسلہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور اس کا دماغ اس کے لیے تیار نہیں ہوتا ہے کہ ٹھنڈے دل سے یہ غور کر سکے کہ اس کی ضد کہاں تک مناسب ہے اس لیے ضدوں کو پوری کرنے سے پہلے ضدوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کیجیے۔

ضدیں پیار اور شفقت سے جس قدر آسانی سے دُور کی جاسکتی ہیں اتنی آسانی سے شاید کسی اور طرح دور نہ کی جاسکیں۔ اس سے پہلے بھی آپ غور کر چکی ہیں کہ بچہ بعض حالات میں ضد اس لیے کرتا ہے کہ وہ بھوکا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی اگر اس کو مختلف موقعوں پر یہ سمجھایا جائے کہ اس کے ضد کرنے سے اس کے سر پرستوں کو کتنی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے، اور کتنا نقصان ہو جاتا ہے تو ممکن نہیں ہے کہ بچہ اس کو اہمیت نہ دے۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہو جائے گا اور پھر اُس کی امکانی کوشش کرے گا کہ کم سے کم ضد کرے۔

ضد کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ بچہ ایک بار ضد کرنے کے بعد بھول جاتا ہے، پھر وہ اس کو اسی وقت یاد آتی ہے جب اس کے لیے دوبارہ ضد کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ اس لیے اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ بچہ ضدوں میں اپنا وقت ضایع نہ کرے، تو پہل آپ اپنی ہی طرف سے کریں۔ اس کو کھیل وغیرہ میں اس طرح بہلائے رہیں کہ اس کا ذہن ضد کی طرف منتقل ہی نہ ہو۔

بچّوں میں غصّہ

آپ ان چھوٹے بچّوں پر جو بول نہیں پاتے ہیں، اگر غور کریں

تو دیکھیں گی کہ بچّہ عموماً اس وقت روتا ہے۔ جب وہ کسی چیز سے ڈر جائے یا کوئی چیز اس کے لیے ناگوارِ خاطر ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بچے کے رونے کی اور وجہیں نہیں ہو سکتیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان دو حالات میں اس کے لیے رو دینا ہی آسان ہوتا ہے۔

رو دینا گویا اس کی اپنی شکست کا اعلان ہوتا ہے۔ غصّہ اس کو اسی وقت آئے گا جب وہ کچھ کرنا چاہے، اور پھر اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دی جائے۔ وہ اس پر بھی اپنی سی کرنی چاہے لیکن نہ کر پائے۔ آخرکار وہ جھنجلا جائے گا اور غصّہ ہو جائے گا، گویا اس نے ہار مان لی کہ اب وہ کسی اور طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

غصّہ جب کسی کو آتا ہے تو وہ اپنے دماغ کو استعمال کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ اب وہ تمام افعال اپنے جذبات ہی کی رَو میں کرے گا۔ بچے کی یہ ذہنی کیفیت کبھی پسندیدہ قرار نہیں دی جا سکتی کہ وہ اپنے دماغ کو کام میں نہ لائے۔ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صاف صاف الفاظ میں منع کیا ہے کہ غصہ مت کرو۔ غور کیجیے تو اس کی وجہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی۔ غصّہ میں انسان کیا کچھ نہیں کر ڈالتا۔ لیکن اس پر بھی بعض گھرانوں میں یہ ایک مشغلہ سمجھا جاتا ہے کہ بچے کو موقع بے موقع چھیڑا جائے تاکہ وہ رُو دے یا ناراض ہو جائے۔ اسے ایک طرح کا پیار یا شفقت خیال کیا جاتا ہے۔ خدا جانے یہ شفقت کس قماش کی ہے؟

صحت کے لحاظ سے بھی یہ چیز بڑی نقصان دہ ہوتی ہے۔ جب بچّہ

ناراض ہوتا ہے تو اس کے جسم میں ایک طرح کی اضافی توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب یہ توانائی بار بار پیدا ہوتی ہے تو جسم ہر وقت کی قوت کے بے جا صرف سے کمزور پڑ جاتا ہے اور بچہ چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ اس لیے بچے کو ناراض کرنے کے بجائے اسے بہلانا چاہیئے اس کو طرح طرح کے کھیلوں میں مشغول رکھنا چاہیے تاکہ اس کے دماغ کا رجحان اس طرف نہ ہوسکے اور جب وہ ناراض ہو تو غیر حق کے خلاف ہو۔

بچے کے غصّے کو رفع کرنے کے لیے یہ کتنا آسان ہے کہ اس کے سامنے اس کے اپنے پیارے نبی کا قول رکھا جائے کہ

"غصّہ پی جانے والے کو اللہ اجر دے گا۔"

اور پھر صبر اور تحمل کے ذریعہ اس عمل کے کرنے میں اس کی زیادہ سے زیادہ مدد کی جائے۔

صرف ایسا ہی نہیں ہے کہ جب بچے کے کاموں میں رُکاوٹ پیدا کی جائے تو وہ غصّہ ہو۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اُس کے گھر میں تند مزاج بزرگوں کی زیادتی ہوتی ہے تو بچہ بھی اپنے آپ کو اسی رنگ میں ڈھال لیتا ہے۔ آپ کو ایک گھرانے کے بارے میں اگر میں بتاؤں تو شاید میری بات سمجھنے میں آپ کو بڑی آسانی ہو جائے۔ ایک بزرگوار ریاست اور امارت کی شان اسی میں سمجھتے ہیں کہ غصّہ ہر وقت ناک پر رکھا ہے، وہ ہر بات پر بگڑ جانا گویا ایک وصف سمجھتے ہیں۔ ایک بار کھانے میں سالن کم تھا، آپ نے بجائے اس کے کہ کچھ کہیں تمام پلیٹیں اُٹھا اُٹھا کر صحن میں پھینکنا شروع کر دیا اور

چپاتیاں کتّے کے سامنے ڈال دیں۔ تمام گھر اُن کے اس عمل سے خوف زدہ ہوگیا تین چار دن کے بعد اُن کے اکلوتے صاحبزادے کھانے پر بیٹھے۔ اس مرتبہ شاید کھانا تو بدمزہ نہ تھا، البتہ چاولوں کی پلیٹ آنے سے رہ گئی تھی، یا ایسی ہی کوئی بات تھی۔ چنانچہ آپ نے بھی تمام پلیٹیں اٹھا کر صحن میں پٹخ دیں۔ تنتناتے ہوئے چلے گئے۔ غرض یہ بھی ایک طریقہ ہے، بچوں میں تند مزاجی کے بیج بونے کا۔

ایسا کرنے کے بجائے چاہیئے تو یہ تھا کہ بچوں کے سامنے نہ تو غصہ کا مظاہرہ کیا جائے نہ گھر کو جہنم زار بنایا جائے اور نہ کبھی اس طرح اس کے سامنے کہا جائے کہ اس کو تو خاندانی غصہ ملا ہے، اس کے باپ بھی اسی طرح ناراض ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان تذکروں سے وہ سمجھتا ہے کہ جیسے اس کی کسی خوبی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اس لیے اس کو اپنی اس خوبی کی پوری طرح پرورش کرنی چاہیئے۔

چھوٹے بچے عام طور سے اس وقت بھی ناراض ہوتے ہیں جب وہ اپنی کسی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں اور دوسرے سمجھ نہیں پاتے ہیں، ایسے مواقع پر بڑے تحمل سے کام لینا چاہیئے۔ اگر بچہ اپنی بات سمجھانے میں ناکام ہو رہا ہے اور جھنجھلا رہا ہے تو آپ کبھی بھی ایسا نہ کیجئے کہ نہ سمجھ سکنے کی صورت میں خود بھی جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کریں۔ آپ کو چاہیئے یہ کہ اپنی پیشانی پر ایک بھی بل نہ آنے دیں اور بڑے صبر و ضبط کے ساتھ اس کی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اور اس کی ضرورت پوری کریں۔ بچہ جب دو چار بار آپ کے اس طرح کے مظاہرے دیکھے گا تو وہ خود بخود سیکھ جائے گا کہ ناکامی

کی صورت میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔

بیماری کے زمانہ میں بھی بچے عام طور سے چڑچڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ طرح طرح کی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ان کا پورا کرنا ان کے لیے مضر ہوتا ہے۔ یا پھر ایک معمولی سی بات پر وہ خفا ہوجاتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تکالیف کی وجہ سے محبت کے زیادہ خوگر ہوجاتے ہیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ معذور سمجھ کر معاملہ کیا جائے۔ اس لیے اس زمانہ میں اگر ان کے ساتھ کچھ تھوڑی سی زیادہ توجہ کے ساتھ پیش آیا جائے تو وہ بیماری کو بھی جھیل لے جاتے ہیں۔ اور چڑچڑے پن کو بھی دبا لے جاتے ہیں۔ میری ایک بہن ——— کوثر فاطمہ نے اس برتاؤ کے ساتھ اتنی بڑی تکالیف کو جھیلا ہے کہ شاید ایک سن رسیدہ شخص کے لیے بھی ممکن نہ ہوتا۔ وہ بیک وقت کئی امراض کا شکار تھی، اور ہر مرض اپنی شدت پر تھا۔ خاص طور سے دل کی دھڑکن اتنی شدید تھی کہ جسم کا عضو عضو ہر دھڑکن پر ہل جاتا تھا، مگر جب بھی اس سے کوئی حال پوچھتا تو یہ آٹھ نو سال کی بچی کہتی "اچھی ہوں"۔ زندگی کے آخری لمحات میں بھی، جب کہ اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی، ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُس کے ماتھے پر شکن نہ تھی، اور اس نے اس طرح صبر کا مظاہرہ کیا کہ الفاظ بیان سے قاصر ہیں۔

اس تمام تذکرے سے میرا مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ابتداء میں بچے کے غصے کو اگر ہوشیاری سے دوسرے رُخ پر موڑ دیا جائے تو

بچہ اس لعنت سے بچ جاتا ہے۔ کمزور اور ناتواں بچوں کا خاص طور سے لحاظ رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اپنی کمزوری کو غصہ کا سہارا دیتے ہیں۔ ان کو اگر ایسے مواقع زیادہ پیش نہ آئیں کہ وہ ناکام ہوں تو غصہ سے وہ کافی حد تک محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ان کو ایسے ہی کاموں میں لگانا چاہیئے جن میں وہ آسانی سے کامیاب ہو جائیں۔ اور ایسے ماحول میں رکھا جائے جہاں دوسرے اس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔

بچّوں میں خوف

یہ کتنی عجیب بات ہوگی، اگر میں کہوں کہ خوف دو طرح کے ہوتے ہیں۔

______ اللہ تعالیٰ کا خوف

______ اس کے ماسوا چیزوں کا خوف۔

جی ہاں، اس وضاحت کے بعد یہ بات عجیب نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ کا خوف تو آپ جانتی ہوں گی کہ ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اس کے ماسوا چیزوں کا خوف کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ ہمیں اسی مسئلہ پر غور کرنا ہے اور اس طرح کے خوف کو جو بچوں کے دلوں میں بیٹھ جاتے ہیں دور کرنے کے بارے میں سوچنا ہے۔

بچّہ پیدائشی طور پر کسی چیز سے خوف نہیں کھاتا، بلکہ وہ اپنی گرد و پیش کی چیزوں کے معاملے میں یہ جانتا ہی نہیں کہ خوف کیا ہوتا ہے۔ آپ ایک

تین چار ماہ کے بچے کو لے کر اوپر اُچھالیے وہ قطعاً نہ ڈرے گا۔ اُسے اندھیرے میں لے جایئے وہ ذرا بھی خوف نہ کھائے گا۔ لیکن ایک سات آٹھ ماہ کے بچے کو (جو اِن چیزوں کا عادی نہیں ہے) اگر آپ اچھالیں گی تو وہ خوف کھا جائے گا، رونے لگے گا یا اندھیرے میں جائے گا تو چیخنے لگے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچّہ اس خوف کو آئندہ زندگی میں سیکھتا ہے۔ مثلاً اندھیرا ہی اس کے واسطے ایسی چیز ہے جس سے وہ واقف نہیں ہے۔ اندھیرا کیوں ہوتا ہے؟ کیسا ہوتا ہے؟ اس کو اس کا علم نہیں ـــــــ جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس سے وہ آخر خوف کیوں نہ کھائے؟ ـــــــ مرزا پھویا کا قصہ تو آپ نے سُنا ہی ہوگا کہ جب انھوں نے بندوق خریدی تو اس احتیاط سے کوٹھری میں بند کیا کہ کوٹھری کے دروازہ تک جانے کی بھی کسی کو اجازت نہ تھی۔ ان کو خطرہ تھا کہ اگر کوئی کنڈی کھٹکھٹا دے گا تو بندوق چھوٹ جائے گی (فائر کر دے گی) اُن کو یہ خطرہ اس وجہ سے تھا کہ وہ بے چارے بندوق کا استعمال ہی نہ جانتے تھے۔ محض لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے خرید کر رکھ لی تھی۔ بالکل اسی مضحکہ انگیز انداز میں بچہ اپنے سے اجنبی چیزوں سے خوف کھاتا ہے۔

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ اُس چیز سے بھی خوف کھانے لگتا ہے جس کو وہ اپنی قوت سے بالاتر سمجھتا ہے۔ مثلاً ایسی چیزیں جو اُس کو خود سے بہت بڑی نظر آتی ہیں۔ جیسے اکثر پالتو جانور۔

کچھ بچے ایسے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو اونچی کرسیوں پر بیٹھنے سے ڈرتے ہیں کیونکہ اُن سے نیچے اتر نا اُن کے لیے آسان نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح کے خوف بچوں سے بڑی آسانی کے ساتھ دُور کیئے جا سکتے ہیں۔ اس ایک واقعہ سے آپ بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتی ہیں:۔

ایک بچہ اپنے سایہ سے بہت گھبراتا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی اپنا سایہ دیکھتا تھا، ڈر کر بھاگتا تھا۔ شاید وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کا سایہ کوئی جن یا بھوت ہے۔ ایک ماہر نفسیات نے ایسا کیا کہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ کا سایہ دیوار پر ڈالا اور پھر اُس کو سمجھایا کہ سایہ کیوں بنتا ہے؟ اگر روشنی دائیں جانب سے آرہی ہو تو سایہ بائیں جانب بنتا ہے، اور اگر روشنی بائیں جانب سے آرہی ہو تو سایہ دائیں جانب بنے گا۔ جب بچہ سایہ کی حقیقت سے واقف ہو گیا تو اس کے دل سے اس کا خوف بالکل جاتا رہا۔

لگے ہاتھوں ایک بچے کے حالات اور بھی معلوم کرتی چلیئے ______

یہ بچّہ اندھیرے سے نہ جانے کیوں بے حد ڈرنے لگا تھا۔ اپنی ماں کے لیے وہ ایک اچھی خاصی مصیبت بن گیا تھا۔ وہ بے چاری رات میں کوئی کام ہی نہ کر پاتی تھی۔ جہاں اندھیرا بڑھنا شروع ہوا اور بچے نے ماں سے چمٹنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ ماں ایسی نہیں تھی کہ بچے کے اس ناقص جذبے کو یوں ہی چھوڑ دیتی اور وہ اسے تمام عمر کے لیے ڈرپوک بنا دیتی۔ اُس نے اندھیری راتوں میں اس سے جھل مِل جھل مِل چمکتے

تاروں کی روشنی کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اور اس دودھیا راستے کو دکھانا شروع کر دیا جس کو ہم آپ کہکشاں کہتے ہیں۔ بچہ ان چیزوں میں بڑی دلچسپی محسوس کرتا، اور ایک کھیل تو اس بچے کو بہت ہی پسند آیا۔ اس کی ماں اُسے اندھیرے کمرے میں لے جاتی، وہاں وہ اُسے وہ گھڑی دکھاتی جس کے ہندسے روشنی میں چمکتے تھے۔ ان چمکتے ہوئے ہندسوں کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتا اور پہروں ٹکٹکی باندھے دیکھا کرتا تھا۔ اس طرح اس کا خوف کچھ عرصے کے بعد بالکل ہی جاتا رہا۔

خوف بچہ میں اس طرح بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ اس کے سامنے خوف کے مظاہرے کیے جاتے ہیں ـــــ اگر آپ بچہ کے سامنے ایسی حرکات کرتی ہیں کہ جن سے آپ کے انتہائی خوف اور پریشانی کا پتہ چل رہا ہو، تو بچہ بھی آپ کی نقل کرنے لگے گا۔ مثلاً ایک بچہ اپنے والدین یا بڑے بھائی بہنوں میں سے کسی کو بجلی یا گرج سے ڈرتے ہوئے کمبل میں مُنھ چھپاتے یا کانوں میں اُنگلی دیتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بھی بغیر جانے بوجھے اس کی نقل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی ان چیزوں سے خوف کھانے لگتا ہے۔ آپ خود غور کیجئے کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا یہ خوف بچے نے خود بخود اپنے اندر پیدا کر لیا ہے؟ نہیں، اس کی ذمہ داری تو اس کے بزرگوں پر ہے۔ وہ تو صرف اُن کی نقل میں اس کا شکار ہو گیا ہے۔ اگر اس کے گرد و پیش میں خوف کو اہمیت دی جائے گی تو وہ بھی اس کو اہمیت دینے لگے گا۔

آپ جانتی ہیں کہ نقل کرنے کا جذبہ بچوں میں بے حد پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ سیرت و کردار کا ایک بڑا حصہ بھی نقل کے ذریعے بناتے ہیں اب آپ نے خوف کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ بھی اُن کے لیے اچھا خاصا قابلِ لحاظ پہلو ہے۔ اس کے دل و دماغ میں ایک تاثر بلا سوچے سمجھے بیٹھ جاتا ہے کہ جن چیزوں سے آپ ڈر رہی ہیں وہ یقیناً ایسی ہیں کہ اُن کا مقابلہ اس کے بس کا نہیں ہے، اور پھر جب آپ جیسی ہستیاں اس ننھے سے ڈرتی ہیں تو وہ کس شمار و قطار میں ہے۔

حالانکہ آپ کو اس طرح کی چیزوں سے ڈرنا نہیں چاہیے لیکن آپ ہیں کہ ایسی ایسی چیزوں سے بھی ڈر جاتی ہیں ـــــ بھلا یہ بھی کہیں آپ کے شایانِ شان ہے؟ خدا کا بندہ اور کسی اور سے خوف کھائے؟ اس کو تو یہ خیال بھی نہ گزرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز اس کو نقصان تک بھی پہنچا سکتی ہے۔ اور بھئی! ذرا یہ بھی تو سوچیے کہ جب اللہ تعالےٰ نقصان پہنچانا ہی چاہے گا تو کوئی چیز بچا سکے گی ـــــ؟ نہیں نہیں کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے اور تمام چیزیں اسی کے اشاروں پر اپنا فرض انجام دیتی ہیں۔ پھر جب یہ بات اتنی واضح ہے تو ہمیں اس کے علاوہ کسی اور چیز سے خوف نہیں کھانا چاہیے۔

ٹھہریے! کہیں آپ خوف اور احتیاط کو گڈمڈ تو نہیں کر رہی ہیں؟ آپ یہ خیال تو نہیں کرنے لگی ہیں کہ میں آپ سے یہ کہہ

رہا ہوں کہ آپ زبردستی سانپ کے منھ میں ہاتھ دے دیں، اور کہیں کہ جب تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے اشاروں پر حرکت کرتی ہیں تو یہ مجھے اس کے حکم کے بغیر کیسے نقصان پہنچا سکتا ہے ــــــ میرے کہنے کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہے ــــــ خوف تو اسے کہتے ہیں کہ مکڑی کا جالا آپ کے ہاتھوں سے چھو جائے اور آپ ایک دم چیخ اُٹھیں، تھر تھر کانپنے لگیں اور پسینہ سے تر بہ تر ہو جائیں۔ اور احتیاط یہ ہے کہ آپ سانپ بھی دیکھیں تو آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آئے اور ہوشیاری کے ساتھ اس موذی کو جان سے مار ڈالیں۔

اللہ تعالیٰ ذرا سی مصیبت پہ چیخ اُٹھنے والے کو پسند نہیں کرتا ــــــ اس لیے آپ کو چاہیئے کہ نہ تو خود ایسا ناقص عمل کریں جو بچوں کے لیے مضر ہو، اور اُن کو بزدل بنا دے کہ وہ زندگی میں آنے والی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی سکت ہی نہ رکھتے ہوں، کوئی بھی وقت پیش آئے اور وہ کانپ اُٹھیں اور کسی طاقت ور سے مقابلہ پڑ جائے اور وہ لرز جائیں۔ جب منزل کی طرف اُٹھتا ہوا ہر قدم ڈگمگا جائے گا تو آپ خود ہی سوچیے کہ کسی منزل تک پہنچنا کیسے ممکن ہوگا؟ دوسرے یہ کہ بھی آپ کو کرنا پڑے گا کہ وہمی قسم کے خوف اور بے جا خوف بچے کے دل میں نہ بیٹھیں، اس کے ذہن میں یہ بات ابتداء ہی سے بیٹھ جائے کہ نفع و نقصان پہنچانے والا خدا ہے۔ اس کے علاوہ تمام چیزیں بے بس ہیں۔ پھر آپ دیکھیں گی کہ بچہ کس قدر نڈر

اور باہمت بن جاتا ہے، اور ایسے ہی بچے آیندہ زندگی میں کچھ کر جاتے ہیں۔

ہمارے گھرانوں کی خواتین اپنی آسانی کے لیے بچوں پر عجب طرح کا ظلم کرتی ہیں۔ جب بچے کوئی شرارت کرتے ہیں، اور انھیں سکون کی تلاش ہوتی ہے تو وہ بے جھجک دھمکاتی ہیں "نہ چپ ہوگا تو۔۔؟ اچھا، اری چڑیل لے جا اسے!" اور بچہ ایک دم سہم کر رہ جاتا ہے۔ بڑی خائف نظروں سے اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ کسی نہ کسی طرف سے کریہہ اور بھیانک چڑیل کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھنے کا منتظر ہو جاتا ہے۔ رات کو جب اُسے نیند نہیں آتی ہے اور وہ کھیلنا چاہتا ہے تو اُسے پھر دھمکی دی جاتی ہے "چپکے سے سو جاؤ، ورنہ دے دوں گی بادیاں بی بی کو" اور یہ "بادیاں بی بی" کیا ہوتی ہیں؟ وہ سمجھنے سے بالکل قاصر رہتا ہے۔ البتہ ایک خوف سا اس کے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ غرض کتنی ہی ایسی جان لیوا خیالی ہستیاں ہوتی ہیں۔ جو اس کو وحشت زدہ کیے رہتی ہیں۔ کبھی شیخ سدو، کبھی جن بابا، کبھی دیو، کبھی بھوت، کبھی کچھ کبھی کچھ، اس کے لیے ایک پریشانی کا موجب ہوتے ہیں، اور اُدھر گھر والوں کو امن نصیب ہو جاتا ہے۔ مگر انھیں اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

میری نظر سے اُن ستم رانیوں کے شکار دو بچے گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک کا عالم یہ تھا کہ اُسے زندگی میں کوئی بھی رات چین سے سونے

کے لیے نصیب نہ ہوئی، ہر رات وہ خوف زدہ ہو کر بڑبڑاتا تھا، اور اکثر بستر چھوڑ کر اُٹھ بھاگتا تھا۔ اور دوسرے کا عالم یہ تھا کہ اگر اچانک کوئی زور سے ہنس بھی دیتا تھا تو وہ خوف سے چیخ اٹھتا۔ ان مثالوں کو ذہن میں رکھیے اور کہیے کہ کیا ایک مسلمان کی کیفیت یہی ہونی چاہیے؟ اگر نہیں، تو خدارا اپنے بچوں کو ان بے بنیاد ڈراووں سے محفوظ رکھیے

اگر بچوں کو بلاوجہ ہر وقت جھڑکا جاتا رہے، انھیں ہر وقت ڈانٹا جایا کرے، اور ہر کام کے کرنے پر انھیں لال پیلی آنکھیں دکھائی جائیں، تو بھی ان کے اندر بے وجہ کا خوف بیٹھ جاتا ہے، وہ ہر کام کرتے ہوئے ایک جھجک سی محسوس کرتے ہیں۔ انھیں یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ غلط تو نہیں کر رہے ہیں، اور یہ چیز رفتہ رفتہ بڑھ کر خوف میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

اس کے لیے صرف یہی ایک علاج کارگر ہے کہ آپ انھیں باز رکھنے اور منع کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ کہیں آپ محض حکم جتانے کے لیے تو ایسا نہیں کر رہی ہیں، یا کہیں آپ کی یہ عادت تو نہیں ہو گئی ہے کہ آپ ہر بات جھڑک کر کرتی ہیں، لہٰذا اس کے لیے آپ اپنے اس رویّہ کو بھی تبدیل کیجیے ورنہ آپ ہی خسارہ میں رہیں گی۔

بچّوں میں جھوٹ

اس بات سے تو آپ کو بھی اتفاق ہوگا کہ بچے جھوٹ بولنے کی

عادت فطرت سے لے کر نہیں آئے، بلکہ اسی دنیا میں ہم آپ سے کسی نہ کسی طرح سیکھتے ہیں، اور پھر ہماری آپ کی بے توجہی کی وجہ سے اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بچوں کا یہ عمل ہمارے لیے کسی طرح پسندیدہ نہیں ہوتا، اور اس کے لیے ہم انہیں اکثر سخت سزائیں دیتے ہیں مگر وہ اس سے باز نہیں آتے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اور کیا اس عادت کو ہم اُن سے چھڑانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے؟ یہ باتیں غور طلب ضرور ہیں، لیکن جب تک ہم یہ نہیں سمجھ لیتے کہ وہ جھوٹ کیوں بولتے ہیں اس وقت تک ہم اُن کی اس "بیماری" کا علاج بھی نہیں کر سکتے۔

یہ میں عرض کر ہی چکا ہوں کہ بچے جھوٹ ہم آپ ہی سے سیکھتے ہیں، اُن کے سامنے جھوٹ بولنے کا مظاہرہ کرنے والے ہم ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی طرح طرح سے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پڑوسن ہمارے یہاں سے کچھ مانگنے آتی ہے فرض کیجیے وہ قینچی لینے آتی ہے، ہم کو اس کا خطرہ پوری طرح لاحق ہوتا ہے کہ وہ اس کو خراب کر دے گی۔ اب کیا کیا جائے؟ ـــــ چپکے سے قینچی بستر کے نیچے کر دی اور کہہ دیا وہ تو فلاں بہن لے گئی ہیں۔ بچہ یہ تمام حرکات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوتا ہے، اور عجب چکر میں پڑ جاتا ہے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے کہ ایک چیز کے ہوتے ہوئے بھی انکار کر دیا گیا؟ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابا جان سے کوئی ملنے آتا ہے اور وہ بچے کے ذریعے ہی کہلا دیتے ہیں "جاؤ کہہ دو، گھر میں نہیں ہیں"۔ اب

بچّہ پھر چکرا جاتا ہے کہ یہ کیا بات ہے؟ لیکن ایسے موقعوں پر وہ دیکھتا ہے کہ دوسروں کو اس طرح کی باتوں کا یقین ہو جاتا ہے اور چھٹکارا مل جاتا ہے، اس لیئے وہ بھی ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا ہے، کیونکہ یہ بڑا سہل نسخہ ہوتا ہے۔

جھوٹ صرف ایسے ہی موقعوں پر نہیں بولا جاتا، بلکہ اکثر اس لیے بھی بول دیا جاتا ہے کہ ساس بہو میں کسی کی معمولی سی بات پر زبردست جھڑپ ہو جاتی ہے، دونوں کے دلوں میں غبار بھرا ہوا ہے۔ ایک دوسری سے منھ پھلائے ہوئے ہیں۔ جیسے ہی گھر کا سر دھرا داخل ہوتا ہے ایک دوسرے کی طرف سے شکایات اور زیادتیوں کا تذکرہ ہونے لگتا ہے۔ اور اس جذباتی بہاؤ میں اپنی بچت کے لیے بہت سی بے بنیاد باتیں بھی ایک دوسرے کے سر تھوپنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بچّہ دیکھتا ہے کہ ہمارے بزرگ اپنے بچاؤ کے لیے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور ان میں سے کتنے تو بے حد کارگر بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ انھیں بھی سینت سینت کر رکھتا ہے۔

پھر جب اس سے بھی کام چلتا ہوا نظر نہیں آتا ہے تو اکثر خواتین بدلہ لینے کے لیے جھوٹ تراشنا بھی شروع کر دیں گی۔ مثلاً یہ کہ اچار دانی ٹوٹی تو بلّی سے ہے لیکن کہا یہ جائے گا کہ بہو نے توڑ دی ہے، لیکن اب بہو کا ہے کو قبولے گی، کہہ دے گی بلّی نے توڑی ہے۔ گھر کے دو چار لوگ ایک طرف ہو گئے اور لیجیئے بہو ملزم گردان دی گئی، اور بچّہ دیکھتا ہے

کہ جھوٹ اتنا کارآمد ہوتا ہے کہ بے خطا کو بھی خطاوار بنادیتا ہے۔

یہ تو ایسے جھوٹ ہیں کہ جو خواتین طیش کے عالم میں بول ڈالتی ہیں لیکن سب سے عبرت انگیز جھوٹ وہ ہے جو دل لگی اور مذاق کے طور پر بولا جاتا ہے ——— کوئی سہیلی باتوں میں مگن ہے، اس کا بچہ صحن میں کھیل رہا ہے۔ اب ذرا اس سے لطف لینے کے لیے ایک دم چیخ اٹھیں "ارے دیکھ بہن! تیرے بچے کو کیا ہوا؟" اور وہ بے چاری گھبرا کر چونک پڑی، سب ایک دم کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ وہ بیچاری شرمندہ ہو گئی۔ بچہ دیکھتا ہے کہ یہ تو بڑا دلچسپ کھیل ہے، اور جھوٹ سے ایک طرح کا لگاؤ سا محسوس کرنے لگتا ہے۔

غرض یہ کیسے بتایا جائے اور کہاں تک گنایا جائے کہ بچے کے سامنے کس کس طرح جھوٹ بولا جاتا ہے اور بچہ اُسے معمولی سی ایک چیز سمجھنے لگتا ہے، اور ہر ہر موقع پر اسے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی پڑھائی سے بچنے کے لیے، کبھی والدین کے غصہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے، اور کبھی ساتھیوں میں بیٹھ کر ڈینگیں مارنے کے لیے۔

وہ جو یہ طرح طرح کے جھوٹ بولتا ہے ذرا اُن کو اس نقشے میں فٹ کر کے دیکھیے کہ اُس نے کہاں تک بڑوں کی نقل کی ہے؟ آپ جتنا بھی غور کریں گی اتنا ہی آپ کی سمجھ میں آتا جائے گا کہ اس کا اپنا اختیار کیا ہوا کم ہے، بڑوں کا عطا کردہ زیادہ ہے۔ میں نے ایک ایسا بچہ بھی دیکھا جس کے سامنے تمام مواقع پر جھوٹ بولنے سے پرہیز

کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ سال کی عمر تک تو اس کو یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ جھوٹ کسے کہتے ہیں۔ اور پھر کافی عرصہ تک اُس نے جھوٹ بولنا گوارا ہی نہیں کیا۔ (اس کے بعد سے میں واقف نہیں)

ہم بے سمجھے بوجھے بچوں کو جو اس طرح جھوٹ بولنا سکھا دیتے ہیں یہ کس قدر تباہ کُن ہے، شاید اس کا ہمیں اندازہ ہو۔ قرآن کریم میں جھوٹ بولنے والوں کو اکثر دوزخ کی سزا کی پیشن گوئی کی گئی ہے، اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو فرمایا ہے کہ آخرت میں اس کی بخشش نہ ہوگی جو جھوٹ بولتا رہا ہے۔ اب سوچیے کہ کیا ہم خود کو اور اپنی اولاد کو اس سے بچانے کے لیے تیار نہیں ہیں؟ ـــــــ اچھا! اگر ہم ان کو اس آگ سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی اس عادت کو ترک کریں جو اُن کے بگاڑ کا سبب ہے۔ جھوٹ کے معاملہ میں اگر آپ غور کریں گی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سچا پائیں گی کہ جھوٹ ایمان کو متزلزل کر دیتا ہے۔ طرح طرح کی برائیوں کی جڑ یہی ہوتا ہے۔ ایک جھوٹا اپنے کسی معاملے میں صاف نہیں ہوتا۔ وہ نہ معلوم کتنے ہی موقعوں پر اس حربہ کو استعمال کرتا ہے، اور جب کامیاب ہوتا ہے تو اور زیادہ دلیر ہو جاتا ہے اور بڑے بڑے جرائم پر اُتر آتا ہے۔ یہاں تک کہ دُنیا اس کے شر سے بھر جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹ بولنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی سزا مقرر کی ہے، تاکہ ایسی موذی چیز ایک مومن کے دل میں راہ نہ پا سکے۔ لیکن آپ کا معاملہ تو بالکل

دوسرا ہے۔ آپ کو تو ایک صاف، سادہ اور معصوم ذہن کو اس زہر سے محفوظ رکھنا ہے۔ اور اس کے لیے تدبیر کرنی ہے ــــــــــ وہ یہی کہ اسے ایسی محفلوں سے دور رکھیں جہاں جھوٹ ایک معمولی سی بات ہے۔

لیکن بعض وقت بچے کے ساتھ زیادتی بھی کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ بدگمانی کی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کی اصلاح سے بالکل اُلٹا اثر لیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بچہ کوئی بات کہہ رہا ہے اور ہم اس کو راست گو بنانے کے لیے سوال کر بیٹھتے ہیں: "جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟" یا بعض وقت یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں کہ "تم جھوٹے ہو؟" اور یہ فقرے اتنے عام ہوتے ہیں کہ بچہ ان کو سُنتے سُنتے عادی ہو جاتا ہے۔ اور اس فعل کی بُرائی اُس کی نگاہ سے اوجھل ہو جاتی ہے، اور پھر وہ سچ مچ جھوٹا بن جاتا ہے، اور جھوٹ بولنے لگتا ہے۔ بدگمانی آپ کو معلوم ہے انتہائی بُرا فعل ہے، اسی وجہ سے آپ کی بدگمانی اس کو سدھرنے کے بجائے بگڑنے کا موقع دیتی ہے۔ اس لیے اس سے پوری طرح پرہیز کریں کہ آپ بچّہ کی طرف سے خوش گمان ہونے کی بجائے بدگمان ہو جائیں۔

بچوں کے ساتھ اکثر یہ لطیفہ بھی ہوتا ہے کہ وہ بےچارے اپنی دانست میں سچ بول رہے ہوتے ہیں، لیکن ہو جاتا ہے وہ جھوٹ۔! مثلاً آپ نے اسے دھوبی کو بلانے بھیجا، وہ دھوبی کے گھر گیا

لیکن دھوبی نہ ملا۔ اس نے آکر سچ سچ بات بتادی۔ لیکن آپ کو یقین نہ آیا۔ آپ نے کسی اور کو بھیجا وہ دھوبی کو بُلا لایا۔ اب آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ دھوبی کے گھر گیا نہیں ہے، بہانہ کر دیا ہے۔ آپ اس سے پھر پوچھتی ہیں، وہ کہتا ہے "میں گیا تھا"۔ اب آپ اس سے جرح کرتی ہیں، اور تصدیق کے لیے اِدھر اُدھر کے سوالات کرتی ہیں۔ "اچھا بتاؤ وہ اندھی فقیرن راستے میں بیٹھی تھی، یا نہیں؟" بچہ اُسے روز راستہ میں دیکھتا تھا، اس لیے کہہ دیتا ہے "دیکھا تھا"۔ حالانکہ اس نے اس طرف غور نہیں کیا تھا۔ اب آپ تحقیق کرتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو وہاں تھی ہی نہیں۔ بچہ بے چارا جھوٹا بن جاتا ہے وہ لاکھ اپنی صفائی پیش کرتا ہے۔ لیکن چھٹکارا نہیں ملتا۔ نتیجہ یہ کہ آیندہ موقع پر وہ سچ مچ جھوٹ بول جاتا ہے۔

یا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آپ اُس سے اُس کے مدرسہ کی پڑھائی کے بارے میں پوچھتی ہیں اور وہ اپنے تصور میں پورا نقشہ کھینچ کر بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ بچہ ہے اس لیے بعض ایسی باتیں بھی وہ بیان کر جاتا ہے جن کو وہ کل بتلا چکا تھا۔ اب آپ کو اُس پر شک ہونے لگتا ہے کہ وہ کہیں جھوٹ تو نہیں بول رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

آپ اس کا تجربہ کر سکتی ہیں۔ ایک الماری میں چائے کے برتن سجا کر رکھ دیجئے۔ لیکن پیالیوں میں چمچے نہ رکھیے۔ اب بچے کو بلا کر دکھلائیے اور دو ایک منٹ کے بعد الماری بند کر دیجئے۔ اس سے

پوچھیے کہ الماری میں کیا رکھا ہے ؟ جب وہ چیزوں کے بارے میں تبلانے لگے، تو آپ اس سے سوال کریں۔ پیالیوں میں چمچے بھی رکھے ہوئے تھے؟ دیکھیے وہ جلدی سے "ہاں" کہہ دے گا۔ اگر اس نے چمچوں پر غور نہیں کیا ہے کیونکہ اُسے یقین ہے چائے کے برتنوں کے ساتھ چمچوں کا ہونا ضروری ہے بس اسی طرح وہ ان مواقع پر بھی کرتا ہے۔

ہاں تو یہ ہیں وہ مواقع جب بچہ جھوٹ بولتا ہے، اور ان حالات میں آپ اس کو کس طرح جھوٹ بولنے سے بچا سکتی ہیں ؟ یہ بھی میں بیان کر چکا، شاید آپ نے غور کیا ہو کہ اس عادت کا چھڑانا اور اس سے بچانا کتنا آسان ہے ؟ یعنی:

- بچے کے سامنے جھوٹ نہ بولا جائے، بلکہ کبھی بھی نہ بولا جائے۔
- بچے کی طرف سے بدگمان ہونے کے بجائے خوش گمان رہا جائے۔
- بچے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اس سے جرح نہ کی جائے۔

چند لفظوں میں

- بچہ میں توانائی کی بہتات اُسے ایسے افعال کرنے پر آمادہ کرتی ہے، جن کو آپ شرارت گردانتی ہیں۔ شرارت سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

بچہ اور سزا

- بچہ اپنی عزّت اور اپنا وقار رکھتا ہے، آپ کی سزا سے وہ دوسروں کے سامنے رسوا ہونا پسند نہیں کرتا۔ سزا دے کر اُسے بغاوت پر اُکسایئے۔

- بے جا سزا پر بچہ اپنی بری حرکت سے نہیں، آپ سے نفرت کرنے لگے گا۔ اس لیے آپ کی سزا اصلاح کے لیے ہی ہونی چاہیے۔
- محض سزا کی دھمکی سے بچہ ڈھیٹ ہو جاتا ہے، اس لیے جب آپ نے تنبیہہ کی ہے تو اپنے الفاظ کو جھوٹا نہ ثابت کیجیے۔
- بچہ ہر شرارت جان بوجھ کر نہیں کرتا۔ بہتر ہوگا اگر ایسے موقع پر آپ سزا نہ دیں۔
- معمولی بات پر بڑی سزا بگاڑ کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ زیادہ موزوں طریقہ بچہ میں غلطی کا احساس پیدا کرا دینا ہے۔
- اگر بچہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو تو معاف کر دینا زیادہ موثر ثابت ہوگا۔
- یہی وہ موقع ہے جب آپ اُسے خدا کے خوف سے آگاہ کرا سکتی ہیں
- اگر شرارت پر سزا کا مقدمہ آپ نے باپ یا کسی دوسرے بزرگ کے سامنے پیش کر دیا ہے تو اب بے وجہ اپنی ممتا جتا کر بچہ کی نظر میں باپ یا دوسرے بزرگ کو ظالم نہ ثابت کرائیے۔

بچوں کی ضد

- بچہ کو اگر کسی مشغولیت سے باز رکھیں تو اس کی وجہ بھی بتا دیں ورنہ اس کا ذہن الجھن میں گرفتار ہو جائے گا۔
- بچہ ضد اُسی وقت کرتا ہے جب وہ کسی بات کو صحیح سمجھتا ہے اور اُس پر جما رہتا ہے۔ آپ اُس کی ضد ختم کرنے کے لیے اُس بات کی

اُسے سمجھا دیں۔

○ ضد کبھی دوسروں کو متوجہ کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ کہیں آپ کے بچّہ کے ساتھ یہ معاملہ تو نہیں؟

○ اگر ضد بیماری اور کمزوری کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے تو اس کا علاج کیجئے۔

○ ضدیں پیار اور شفقت سے جس قدر آسانی سے دُور کی جاتی ہیں اتنی آسانی سے شاید کسی اور طرح دور نہ کی جاسکیں۔

○ اگر بچہ کو اپنی ضد سے دوسروں کی تکلیف کا احساس ہوجائے تو وہ اپنی ضدیں کم کرنے کی طرف مائل ہوجائے گا۔

بچّوں میں غصّہ

○ اپنے لطف کے لیے بچّہ کو چھیڑ چھیڑ کر ناراض نہ کیجئے۔

○ گھر والوں کی تند مزاجی میں کمی، بچّہ میں بھی غصہ کی کمی کردیگی۔

○ غصّہ کو خاندانی فخر بنا کر بچہ کے سامنے نہ پیش کیجئے، ورنہ وہ اسے اپنی خوبی قرار دے لے گا۔

○ اگر بچہ اپنی بات سمجھانے میں ناکام ہوتاہے اور جھنجھلا اٹھتا ہے تو یہ آپ پر فرض ہے خود تحمل سے کام لیں۔

○ بیماری کے زمانہ میں بچہ اپنی تکلیف کی وجہ سے محبت کا زیادہ خوگر ہوتا ہے، چنانچہ اکثر اپنی ناگواری کا اظہار کرتا ہے۔ اسے گوارا کیجئے۔

○ غصّہ کے عالم میں بچہ کی توجہ کسی دلچسپ مشغلہ کی طرف موڑ دیجئے۔

غصہ ختم ہو جائے گا۔

بچّوں میں خوف

○ بچہ پیدائشی طور پر کسی چیز سے خوف نہیں کھاتا۔ اسے وہ آیندہ زندگی میں آپ لوگوں سے سیکھتا ہے۔

○ بچّہ جن چیزوں سے واقف نہیں ہوتا، یا جن کو وہ اپنی قوت سے بالاتر سمجھتا ہے۔ اُن سے خوف کھاتا ہے۔

○ آپ بچہ کے سامنے خوف کا مظاہرہ کریں گی تو بچہ خوف کھانا سیکھ جائے گا۔

○ بچّہ کو وہمی اور خیالی واقعات سُنائیں گی تو بچہ خوف زدہ رہنے لگے گا۔

○ بلاوجہ جھڑکنا، ڈانٹنا اور ناراض رہنا بھی بچے کے اندر خوف بٹھا دیتا ہے۔

بچّوں میں جھوٹ

○ آپ کی بے توجہی سے بچّہ جھوٹ کا عادی ہو جائے گا۔

○ بچہ کے سامنے آپ جھوٹ بولیں گی تو بچہ بھی جھوٹ بولنے لگے گا۔

○ اگر اپنے بچاؤ کے لیے یا دوسروں سے انتقام لینے کے لیے آپ جھوٹ بولتی ہیں تو بچّہ بھی اسے بہترین حربے کے طور پر استعمال کرے گا۔

○ مذاق میں بھی بچہ کی طرف سے بدگمان نہ ہو جائیے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

○ ہر معاملہ میں بچہ کی طرف سے بدگمان نہ ہو جائیے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

○ بچہ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے اس سے جرح نہ کیجیے۔

بچّوں کی اُلجھنیں

ایک بہن نے اپنے بچے کی تربیت کے لیے اپنی امکانی کوشش کرنی چاہی لیکن ہر جگہ، ہر قدم پر، ہر معاملے میں اُن کے خاوند کی طرف سے رکاوٹ پیدا ہوئی۔ رُکاوٹ؟ ـــــــ لیکن رُکاوٹ سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اُن کے خاوند اپنے بچے کی بہتر تربیت نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ اس طرف کسی قسم کی توجہ نہیں دینا چاہتے تھے۔ شاید اُن کا خیال ہو کہ بچوں کو جنگلی پیڑ پودوں کی طرح پرورش پانے اور بڑھنے دینا چاہیے۔ جس طرح ایک پودا پیڑ بننے کے بعد اپنے فرائض انجام دینے لگتا ہے اسی طرح بچہ بھی بڑا ہو کر اپنے فرائض انجام دینے لگیگا۔ نہ معلوم انسان کو حیوانات اور جمادات کی صف میں کھڑا کرنا کہاں تک درست ہے لیکن پھر بھی کچھ والدین ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ ذرا بھی اس کی فکر نہیں کرتے کہ ان کا بچوں کے سامنے بے پروائی سے غیر محتاط طور پر ہر فعل و عمل کرتے رہنا درست نہیں ہوتا،

اور یہ چیز بچوں کے لیے کس قدر مضر ہوتی ہے، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جن کو سنجیدگی کے ساتھ تربیت کرنا پڑتی ہے۔ ذرا اُن خاتون سے پوچھیے جن کے خاوند نے تربیت کی ساری ذمہ داری اُن کے کندھوں پر ڈال دی ہے' اور خود کو بالکل بری الذمہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اُن کا دوستوں کے درمیان بیٹھ کر خوش گپیاں کرنا' تاش کھیلنا' اور سگرٹ اور پان وغیرہ سے بے تکلفی کے ساتھ لطف اندوز ہونا اور بچے کے سامنے ایسا نمونہ پیش کرنا کہ وہ ایک لااُبالی زندگی کو نصب العین بنالے' بچے کے لیے کہاں تک مفید ہوسکتا ہے۔ انھیں اس کی پرواہی کب ہوئی کہ انھیں بچے کو کیا دینا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے :-

"باپ کی طرف سے اولاد کے لیے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں کہ وہ اُن کی اچھی تربیت کرے"

مگر کیا اس طرح وہ بچہ کو اس قیمتی عطیہ سے مالا مال کر رہے ہیں؟ شاید نہیں! اور صرف ایک یہی حضرت نہیں' بلکہ ایسے تمام والدین جن کی نظر میں تربیت کی کوئی ذمہ داری اُن پر عائد نہیں ہے اپنے بچوں کے لیے کانٹے بوتے رہتے ہیں۔

بچہ و والدین

بچہ اسی طرح زندگی گزارے گا جس طرح دوسرے گھر والے

گزارتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک سفید کپڑا زرد رنگ میں ڈبو جائے اور جب باہر نکالا جائے تو وہ دھانی رنگ کا ہو؟ بالکل ایسے ہی غیر ذمہ دارانہ ماحول میں رہ کر بچہ غیر ذمہ داری کی زندگی گزارنا سیکھے گا بلکہ زندگی کے بہت سے معاملات میں خود اسے اپنے ہی تجربات کا سہارا لینا پڑے گا اُسے خود اپنی عادات و اطوار اور اخلاق و سیرت کو ڈھالنا پڑے گا اور بچہ اپنے اخلاق و سیرت کو کیا بنا کر رکھے گا یہ ظاہر ہے۔

بچوں میں آوارگی، والدین کی اُن کی طرف سے بے پروائی، تمام کاموں میں غیر سنجیدگی اور زندگی کی جدوجہد میں غیر ذمہ داری اور بے توجہی سے پیدا ہوتی ہے، اور خاص طور سے اسلامی زندگی کے تقاضے تو ایسے بچے بڑے ہو کر پورے کرنے میں کامیاب ہو ہی نہیں پاتے ہیں۔ اس لیے ایسے والدین کو چاہیے کہ اپنی کجروی کو بچوں کی کجروی سے پہلے درست کر لیں، اور پھر اس کے بعد سنجیدگی کے ساتھ اس کی فکر کریں کہ اُن کا بچہ اُن کی ہی طرح شروع ہی سے بھٹکنے نہ لگ جائے۔

دوسری قسم کے کجرو والدین وہ ہیں جو ایسے والدین کے مقابلے میں بالکل ہی دوسرا رویّہ اختیار کرتے ہیں، وہ بچوں پر بے انتہا پابندیاں عائد کر دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ پابندیاں عائد کر دیں، بلکہ اپنی بات منوانے کے لیے اور اپنا کہا کرانے کے لیے بہت ہی درشت لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ میں نے کتنے ہی ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جن کے

سامنے بچے جاتے ہوئے اس طرح گھبراتے ہیں جیسے بلّی کے سامنے چوہا۔ وہ بچوں سے جب بھی کچھ کہتے ہیں تو بھویں ترچھی کرکے، آنکھیں سُرخ کرکے اور چہرہ کسی قدر بھیانک بناکر، آپ جانتی ہوں گی کہ ایسے سرپرستوں کا بچے پر کیا اثر ہوتا ہوگا؟۔

بچے اُن کی صورت سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اُن کے غصّے اور مار کے خوف سے وہ خواہ ان کے کام تو کردیں لیکن اُن سے بغاوت کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں ——— آپ نے یہ مثل تو ضرور سنی ہوگی" ولی کے گھر شیطان" جی ہاں ——— ! یہ مثل اس موقع پر بالکل صادق آتی ہے، بلکہ یوں کہیے کہ ایسے والدین کا رَوَیّہ ہی بچّوں کو اس پر اُکساتا ہے کہ وہ اس بات کے بالکل خلاف کریں جو اُن کے بڑے کر رہے ہیں۔ کیونکہ جب اُن کی نگاہ میں اُن کے بڑے ہی پسندیدہ نہیں ہیں تو پھر ان کے اعمال اُن کے لیے پسندیدہ کیوں ہیں؟ ایسے والدین خواہ کتنا ہی کہیں کہ وہ یہ سختی اپنے بچوں کو سدھارنے کے لیے کر رہے ہیں، لیکن پھر بھی باور کرنے کے قابل نہیں۔ غضب اور غصّہ سے بھرا ہوا دل کبھی بھی شفقت اور محبت کے واسطے خالی نہیں ہوسکتا اور پھر جب برابر سختی کا برتاؤ بچوں کیا جائے اور صرف ان کی خامیوں ہی پر نظر رکھی جائے تو اپنا مزاج بھی عیب چین بن جاتا ہے بچوں کے ہر عمل و فعل میں خامی نظر آنے لگتی ہے اور ان کو ہر ہر قدم پر ٹوکنے کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے، اور پھر جب بچے حکم عدولی

کرتے ہیں تو بچوں کے خلاف جذبات اپنے اندر اُبھرنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ بچوں سے نفرت ہوجاتی ہے۔ اس حد پر پہنچ کر پھر بچوں کی اصلاح نہیں ہو پاتی، بلکہ اُن سے بغض ضرور ہوجاتا ہے اور جب بچے اپنے ساتھ یہ رَوِیّہ دیکھتے ہیں تو وہ بھی سرکشی کرنے لگتے ہیں، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں طرف کجرویاں بڑھتی جاتی ہیں اور حالات قطعاً ناخوشگوار ہوجاتے ہیں۔

پھر کیا ایسے والدین کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اپنی شقی القلبی سے باز آجائیں اور بچوں کے ساتھ نرم روی اور صلاحیت کے ساتھ پیش آئیں۔

ایک اور طرح کے کجرو والدین وہ ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کے ساتھ بے انتہا محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اُن کی ہر زیبا و نا زیبا حرکت برداشت کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ صاحب آپ تو لاڈ پیار میں اپنے بچوں کو خراب کیے دیتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں بچوں سے محبت نہ کریں تو کیا کریں؟ کیا ان کو زندہ دفن کردیں؟ حالانکہ جس طرح کی محبت وہ کر رہے ہیں، وہ ہے ہی ان کو زندہ دفن کرنے والی۔ اس سے پہلے بھی میں آپ کو یہ بتلا چکا ہوں کہ لاڈ پیار سے بچے میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ وہ اب اپنی ہر اچھی بُری خواہش کو پورا کرلینا ہی ضروری سمجھتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ والدین اس کے لیے ہر

صورت میں تیار ہوں گے چنانچہ وہ انتہائی عیش و عشرت کی زندگی کا عادی ہو جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے والدین کسی نہ کسی طرح پورا کریں گے ہی خواہ قرض سے کریں یا اپنا مال و متاع بیچ کر۔ پھر لاڈ پیار تو اس میں اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کی قوت ہی کو زائل کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے سامنے نہ دوسروں کی پریشانیوں کا اندازہ کر سکتا ہے اور نہ اپنے تقاضوں کے سامنے کسی طرح کے کسی عذر کو معقول سمجھتا ہے۔ ویسے بھی وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ تکلیف اور سزا کیا چیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی والدین کی حد سے بڑھی ہوئی خدمت گزاری اُس کے اندر سے خود اعتمادی کو ختم کر دیتی ہے وہ اپنے آپ پر بھروسہ نہیں کر پاتا۔ ہر قدم پر والدین کی اور اُن کی غیر موجودگی میں دوسروں کی رہنمائی اور امداد کا خوگر رہتا ہے۔ اپنے آپ نہ کوئی فیصلہ کر پاتا ہے۔ اور نہ کسی کام کو انجام دے پاتا ہے۔ بس ایک بے عقل حیوان ہوتا ہے جو کسی غیر کے اشاروں پر سب کچھ کرتا ہے، اور یہ چیز اس کی آیندہ زندگی کے لیے انتہائی عبرت انگیز ہوتی ہے۔ جب خود اس کے کندھوں پر ذمہ داریاں پڑتی ہیں، اور دوسرے اُس کے دست نگر ہوتے ہیں۔ جب خود اس کے سامنے زندگی کی مشکلات بے نقاب ہو کر آتی ہیں اور خود اُس کو اپنے فیصلے سے اُن سے نمٹنا ہوتا ہے، ایسے مواقع پر اس کا ذہن پریشان اور پراگندہ ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات وہ خودکشی کرنے پر بھی

آمادہ ہوجاتا ہے، ورنہ ایک زردانگیز اور پریشان حال زندگی گزارتا ہے۔
اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ یہ وہ عطیہ تو نہیں جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ وہ محبّت نہیں جس کے ذریعہ آپ اس کی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتی تھیں ——— نہیں ایسے والدین تو محبت کرنا ہی نہیں جانتے وہ تو محض جذبات کی تسکین کے لیے اندھے ہوجاتے ہیں ——— جذبات کی تسکین کے لیے اندھے ہوجانا؟ ـــ جی ہاں، حقیقت یہی ہے۔ بچّوں سے بے انتہا محبت تو وہی کرتے ہیں جن کو اپنے ارمانوں اور تمناؤں کے نکالنے کا شوق ہوتا ہے "میرے تو ارمان ہیں کہ اپنے بچے کی شادی اس دھوم سے کروں کہ زمانہ یاد رکھے"۔ "میری تو یہی تمنا ہے کہ میرے جیتے جی میرے بچے کے کانٹا تک نہ چبھے"۔ ایسی ہی اور نہ معلوم کتنی تمنائیں اور کتنے ارمان ہیں جو اپنے نفس کو تسکین دینے کے لیے پورے کیے جاتے ہیں، کیا بچے کے لیے اس طرح کے تصورات غیر اسلامی نہیں ہیں؟ کیا یہ کسی طرح بچے کی زندگی کے لیے ہمیشگی کی مسرت کے ضامن ہوں گے؟ اور پھر کیا ان کی بدولت بچہ ایک اور بڑی مصیبت میں نہ گرفتار ہوجائے گا؟ لیکن والدین کو اس کی کیا پروا۔ وہ تو بس اپنی زندگی ہی تک سب کچھ محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد بچے کا کیا حشر ہوگا؟ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے تو نہ آئیں گے۔ پھر یہ لاڈ پیار، والدین کی کجروی نہ ہوئی تو کیا ہوئی؟
کچھ والدین ایسے بھی ہوتے ہیں جو بچّوں کو وقت سے پہلے ہی

بزرگ سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ اُن سے اس طرح پیش آتے ہیں جیسے وہ کسی سن رسیدہ شخص سے ہمکلام ہوں۔ ایک تربیتی درس گاہ کے ایک اتالیق صاحب ایک آٹھ سال کے بچے سے اس طرح مخاطب ہوئے:۔

میں دو تین دن سے دیکھ رہا ہوں، برابر تم بدتمیزی سے پیش آتے ہو، اب آیندہ اگر میں نے تم کو زبان لڑاتے دیکھا تو اچھا نہ ہوگا تمہارے لیے۔

اب آپ خود ہی غور کیجیے کہ یہ فصیح و بلیغ تقریر اس بچے کے لیے کہاں تک مناسب ہوگی اور وہ اس سے کیا حاصل کر سکے گا؟ وہ تو بس یہی خیال کرے گا کہ ہمارے بزرگ ہماری کسی بات پر ناراض ہو گئے۔ لیکن وہ کون سی بات ہے؟ بچہ شاید یہ سمجھ ہی نہ سکا ہو۔ کئی ایک گھرانوں میں میں نے خود دیکھا ہے کہ تین چار سال کے بچوں اور بچیوں سے اس طرح دُکھڑا رویا جاتا ہے جیسے وہ بوڑھے یا کھوسٹ ہوں۔ مثلاً ایک ماں اپنی تین چار سال کی بچی سے کہنے لگیں۔

"خدا تجھے سمجھے۔ ابھی جب تیرے یہ لچھن ہیں تو بڑی ہو کر تو کیا کرے گی۔"

یا ایک محترمہ اپنے بچوں کے سامنے اس طرح فریاد کرنے لگیں:۔

"تم لوگوں نے تو میری زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ کب مروں گی، کب نجات ملے گی؟ تمہارے پیچھے اپنی زندگی کھپاؤں، اور تم لوگ ہو کہ مرتے دم تک حلق میں ایک قطرہ پانی بھی نہ ٹپکاؤ گے۔" یہاں یہ بات بھی بتلا دوں کہ یہ بچے سات آٹھ سال سے زیادہ عمر کے نہ تھے۔ خیر یہ تو درست ہے کہ جب اپنے پر قابو نہیں رہتا تو آدمی سب

کچھ کہہ جاتا ہے، لیکن غور کرنے کی بات تو یہ ہے کہ جس کے سامنے یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے وہ اس قابل بھی ہے کہ یہ سب کچھ سمجھ سکے؟

یہ برتاؤ صرف گفتگو ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ تمام معاملات میں روا رکھا جاتا ہے۔ مثلاً بچے سے کھیل کود میں قمیص پھٹ گئی اور اماں جان لے کر بیٹھ گئیں اپنی راگ مالا۔

"کس قدر بد سلیقہ ہے تو، نہ کپڑوں کی پروا، نہ ماں باپ کے دکھوں کی، کہاں سے آئے گا قارون کا خزانہ جو روز ایک نیا شاہی جوڑا بنا کرے گا؟"

یا جب کوئی ہدایت دینے کا موقع آتا ہے تو بھی یہی رویّہ رکھا جاتا ہے۔

"دیکھ قرینے سے اٹھانا پیالی۔ ارے کہیں ایسے بھی لے کر چلتے ہیں چینی کے برتن؟"

"تجھ کو اپنی زندگی کی بھی پروا نہیں، آخر کس مصرف میں آئے گا تو بڑھ کر؟ کچھ بھی تو کام کیا کر۔"

"بڑھ کے تاڑ کا تاڑ تو ہو گیا، لیکن عقل ذرا بھی نہ آئی جگ ہنسائی کرائے گا تو اور کیا کرے گا؟"

حالانکہ وہ بے چارہ بڑھ کر تاڑ کے پیڑ کے اتنا تو کیا، چار فٹ کا بھی نہیں ہوا ہے، اور نہ ابھی اس میں تیس چالیس سال کے بڈھے کی سی عقل آئی ہے لیکن ماں باپ کچھ ایسا ہی سمجھنے پر مصر ہو گئے ہیں۔

اب یہ چیز بچے کو غیر مطمئن نہ کر دے گی ؟ کیا وہ یہ نہ سوچتا رہے گا کہ کتنا بدنصیب ہوں کہ نہ مجھ میں عقل ہے، نہ سمجھ، نہ سلیقہ۔ میں تو واقعی ایک نِرم ناقص ہوں۔ اور یہ چیز اس میں اس قدر کمتری کا احساس پیدا کر دیتی ہے کہ وہ ہر کام بجائے آگے بڑھ کر خود کرلے کے جھجکا کرتا ہے اور انتظار کیا کرتا ہے کہ کوئی دوسرا کرے اور میں اس کی تقلید کروں، وہ زندگی کے ہر میدان میں پیچھے رہتا ہے اور ایک طرح کا خوف اپنے دل میں بٹھائے رکھتا ہے جو اُسے بُزدل بنا دیتا ہے اور پھر یہ بھی کہ وہ اپنے کو ناقابلِ اصلاح سمجھ بیٹھتا ہے اور بجائے سُدھار کی طرف بڑھنے کے کجروی کی طرف مائل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اکثر والدین کے طور وطریق سے الگ ہو کر بے راہ روی اختیار کر لیتا ہے۔

اسی طرح کے والدین میں وہ بھی شریک ہیں جو اپنے بچّوں کو خود بخود سرکش بنا دیتے ہیں۔ اکثر گھرانوں میں آپ نے خود ہی دیکھا ہو گا کہ چند بڑے بوڑھے بیٹھے ہیں، اتفاقاً ان کے درمیان بچّہ بھی آ جاتا ہے اور اس کے ماں باپ میں سے کوئی اس کے بارے میں اپنے ہم عمروں میں سے کسی کو مخاطب کر کے کہتا ہے :۔

" آپ کی مستقلاً عادت ہے کہ ہماری ہر بات کے خلاف ہی کریں جو ہم کہیں اس کے بالکل برخلاف کریں۔ بس سرکشی تو جیسے انہوں نے ہمارے ہی لیے مخصوص کر رکھی ہے "۔

اب سوچیے کہ بھلا ایک بچہ ان طنزیہ جملوں میں سے کیا نصیحت

حاصل کرسکتا ہے ؟ علاوہ اس کے کہ وہ والدین کو اپنا حریف سمجھ لے۔ حالانکہ جیسا میں پہلے بیان کرچکا ہوں، اس عمر میں تو بچہ اطاعت اور فرماں برداری کے لیے تیار ہوتا ہے، وہ ہر بات میں اپنے بزرگوں کی نقل کرنے میں لطف محسوس کرتا ہے۔ لیکن یہ ایسے والدین ہیں کہ جو اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ اطاعت و فرماں برداری اور تقلید کے لیے کسی اور کو تلاش کرے، اور شوخی اور سرکشی کے لیے ان کو مخصوص کرلے۔

بہرحال اگر اس طرح بچوں کو وقت سے پہلے یہ احساس دلایا گیا کہ والدین کا ان پر کوئی زور نہیں رہا ہے اور وہ اُس کے سامنے مجبور و بےبس ہوگئے ہیں، تو پھر وہ بالکل ہاتھ سے نکل جائے گا، اور اُسے جو کچھ سیکھنا ہے وہ والدین سے سیکھنے کے بجائے اپنے ان دوستوں سے سیکھے گا جو اُس کے ہمنوا ہوں۔

دُوسرا بچّہ بہ حیثیتِ شریک

والدین کی بے اعتنائی بچے کی طرف سے اس وقت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے جب گھر میں ایک اور بچہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے، ان کی توجہ محبت اور ہمدردیاں بڑی حد تک سمٹ کر آنے والے بچہ پر مرکوز ہوجاتی ہیں اور پہلے بچے کا مقام کچھ گر جاتا ہے۔

گھر والوں کی توجہ کا مرکز نومولود بچہ ہوجاتا ہے، سب اس کو ہی گود لے رہے ہیں، چوم رہے ہیں، تھپتھپا رہے ہیں، گدگدا رہے ہیں،

بہلا رہے ہیں، اس کے رونے پر سب ہی متوجہ ہو رہے ہیں۔ اگر وہ پیشاب کر دیتا ہے تو تقریباً سب ہی کپڑے بدلنے کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی صحت اور دیکھ بھال کے لیے سب ہی متردد ہو جاتے ہیں۔ لیکن پہلا بچہ ہے کہ اب اگر وہ کسی کے پاس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے تو کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ کسی کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہے تو لوگ جی چرا جاتے ہیں، اُسے ٹال دیتے ہیں، اس کو اگر کوئی ضرورت ہوتی ہے تو جلد اُس کو پورا کرنے کی فکر نہیں کی جاتی ہے۔ "ذرا صبر کرو، منّا دودھ پی لے تو تم کو بھی دوں" اور پھر خاص طور سے اس وقت جب وہ منّے سے کھیل کر دل بہلانا چاہتا ہے۔ جیسے ہی وہ اس کے پاس پہنچا، اور ایک دم امّی جان چیخ اٹھیں "ہائیں اس کے پاس مت جا، کیا مار ڈالے گا اسے؟" بس یہ چیز اُس کے دماغ میں اور بھی کجی پیدا کر دیتی ہے۔ اُس کے دل میں بے سوچے سمجھے منّا کی طرف سے دشمنی پیدا ہو جاتی ہے، اور اُسے اچھی نگاہ سے دیکھنا ترک کر دیتا ہے۔

ویسے بھی وہ ایک اُلجھن میں پڑ جاتا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ کل تک تو لوگ مجھ سے بے انتہا محبت کرتے تھے، میری ہر طلب پر فوراً متوجہ ہوتے تھے، میری خوشی کا پورا خیال رکھتے تھے اور میرے دل بہلاوے کا پورا پورا انتظام کرتے تھے۔ اور ایک دم اس بچّہ کے آجانے سے سب نے مجھے پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ سب میری طرف سے غافل ہو گئے ہیں، سب نے میری ضرورتوں کو نظر انداز کر دیا ہے، اب اس بچے کے سوا کسی اور کا

وجود اُن کے لیے کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا ہے۔ اس بچے نے تو میرے تمام حقوق پر قبضہ کر لیا ہے یہ بہت بُرا ہے، یہ میری محبت کا مستحق نہیں، یہ میرا دشمن ہے۔

اب وہ بچے کو زک پہنچانے کی فکر میں لگ جاتا ہے، اکثر وہ ماں سے کہتا رہتا ہے ۔"امی! اس کو بھنگن کو دے دو، یہ بُرا ہے"۔"امی! اسے کھڑکی کے باہر پھینک دو، یہ روتا ہے"۔ یا پھر اسی طرح کے اور دوسرے جملے ادا کرتا ہے۔ اس طرح کے جملوں سے اس کی ناپسندیدگی کا اظہار کتنے نمایاں طور پر ہو رہا ہے، وہ اس کو کس طرح اپنی اُس ماں سے الگ کرنا چاہتا ہے جس کو وہ اب تک بلا شرکتِ غیرے اپنی ماں سمجھتا رہا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ وہ اپنی بیزاری کا اعلان کرے اور بچے کو ناپسند کرے، بلکہ جب کبھی وہ بچے کے پاس پہنچتا ہے تو کبھی اس کا ہاتھ مروڑ ڈالتا ہے، کبھی اس کے چٹکی لے لیتا ہے، کبھی کسی اور طرح چھیڑ دیتا ہے اور جب وہ دونوں چلنے پھرنے والے ہو جاتے ہیں اور بات چیت کرنے لگ جاتے ہیں تو بڑا بچہ ہمیشہ چھوٹے بچے کو دبانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو محض چھیڑنے کے لیے اکیلا چھوڑتا ہے، اور چھوٹا بچہ روتا رہتا ہے غرض ایسا برتاؤ ہر معاملہ میں وہ روا رکھتا ہے۔

لیکن وہ اتنا ہی کافی نہیں سمجھتا ہے، وہ ماں اور دوسرے عزیزوں کی توجہ میں سے بھی اپنا حصہ حاصل کر لینے کی فکر کرتا ہے پہلے پہلے تو وہ سیدھے سادے انداز میں اس کا اظہار کرتا ہے کہ اس کا بھی خیال رکھا جائے۔

چنانچہ وہ کبھی رو کر کہتا ہے "امی بھوک لگی ہے"۔ "ہم سوئیں گے نیند معلوم ہو رہی ہے"۔ "امی! ہم دودھ پئیں گے"۔ لیکن امی کے دماغ میں تو غیر ارادی طور پر یہ بات بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ اب یہ ناز برداریوں کا مستحق نہیں رہا۔ اتنا بڑا ہو کر بھی یہ اس برتاؤ کا حق دار کیسے ہو سکتا ہے جو اب اس نو مولود کے لائق ہے؟ چنانچہ وہ اسے بہلانے کے بجائے اس کی ضرورتوں کو بے توجہی کے ساتھ پوری کرتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب پہلا سا برتاؤ نہ ہونے پر وہ اس کا خواہشمند ہوتا ہے ـــــــ بچپن میں ایک بچے کو اس کی ماں لوریاں سنا کر سلایا کرتی تھی، لیکن جب تین چار سال کے بعد ان کے یہاں ایک اور بچہ آ گیا تو اب وہ بچہ نہ صرف ماں کے پاس سونے سے محروم ہو گیا، بلکہ اس کو سونے وقت لوریاں بھی نصیب نہ ہوئیں، وہ روز یہ چاہتا تھا کہ اسے کوئی لوریاں سنا کر سلائے لیکن اس کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ چنانچہ سچ جانیے کہ وہ سن شعور تک پہنچنے کے بعد بھی اس بات کا خواہشمند رہا کہ وہ اپنی ماں کی گود میں سر رکھ دے اور وہ اسے کم از کم ایک بار لوریاں سنا کر سلا دے۔ غور کیجیے اس حسرت اور خواہش پر!۔

لیکن جب بچے کی خواہش پوری نہیں ہوتی اور وہ حسرت بن جاتی ہے تو وہ اپنی خواہشوں کا اظہار بالکل مختلف طریقے سے کرتا ہے، اور ماں سے نزدیکی اور اس کی توجہ کو بالکل دوسرے طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ مثلاً اسے معمولی سا بخار آ جاتا ہے تو وہ بن کر لیٹ جاتا ہے اور اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ جیسے وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔ اب ماں توجہ کے

لیے مجبور ہو جاتی ہے، وہ اس کی تیمارداری پوری مستعدی سے کرتی ہے، اور ادھر بچے کو اتنے عرصے کے لیے ماں کی محبت نصیب ہو جاتی ہے۔

وہ بات بات پر رویا کرتا ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو ماں کو یہ اطمینان رہے گا کہ بچہ بہلا ہوا ہے اور اس (ماں) کو اس (بچہ) کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور اس عرصہ میں وہ منّے کی ضروریات ہی سے نمٹ لے۔

وہ ضدیں کرنے لگتا ہے تاکہ اُس کی ضروریات کو پورا ہی کیا جائے اور اگر ماں اسے مارتی ہے تو یہ بھی کیا بُرا ہے؟ کم از کم وہ اس کی طرف متوجہ تو ہوتی ہے، اتنے عرصہ کے لیے وہ منّے کے پاس سے ہٹ آتی ہے۔ کیا یہ اتنا کافی نہیں؟

وہ ماں کی ہدایتوں، تاکیدوں اور تنبیہوں کے باوجود مٹی میں کھیلتا ہے، کپڑے خراب کرتا ہے، دھوپ میں مارا مارا پھرتا ہے، اور ایسے ہی وہ دوسرے کام کرتا ہے جن سے ماں اس کو منع کرتی ہے۔ پھر جب واپس آتا ہے تو ماں اس کو مارتی ہے، اس کے کپڑے بدلتی ہے، اس کے منھ ہاتھ دھوتی ہے، کنگھا وغیرہ کرتی ہے، بنا سنوار دیتی ہے اور پھر وہ جلد ہی اپنی شکل بگاڑ لیتا ہے۔ گرد دھول اور مٹی میں اٹ جاتا ہے، کیونکہ جتنی دیر ماں اس کے کپڑے بدلے گی، اُس کے ہاتھ مُنھ دُھلائے گی اور سنوارے گی اتنے عرصہ وہ منّے سے دُور رہے گی اور وہ ماں کا قرب حاصل کرتا رہے گا۔

غرض حسد کا جذبہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ بالغ ہو کر بھائی بھائی

کے دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ——— محض والدین کی بے خیالی کی وجہ سے! وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جس قدر محبت انھوں نے بچے کے لیے مقدر کر دی ہے اتنی محبت کا حق دار اُسے ہمیشہ ہی رہنا چاہیئے۔ اُس کے حصّہ کی محبّت میں کمی نہ کی جائے۔ ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ اگر اُسے آپ لوریاں سُنا کر سلاتی تھیں تو اب بھی سونے سے پہلے اُس کو لوری سُنا دیں تاکہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ سوئے، اور اگر پہلے آپ اس کو اپنے ہاتھ سے کھلاتی تھیں تو اب بھی اتنا وقت نکالیں کہ اس کی خواہش کو پورا کر دیں۔

مگر اس سے بڑھ کر سب سے زیادہ جس بات کا خیال رکھیں وہ یہ ہے کہ آنے والے بچے کے لیے پہلے بچے کے دل میں پہلے سے ہمدردی محبت اور دلچسپی کے تاثرات پیدا کر دیں۔ اسے پہلے سے ہموار کر لیں۔ مثلاً اُسے کچھ عرصہ پہلے معلوم ہونا چاہیے (خواہ آپ کے منھ سے نہ سہی) کہ اس کے گھر میں ایک ننھا مُنا کھلونا آنے والا ہے جو بولتا بھی ہوگا، ہنستا بھی ہوگا، دیکھتا بھی ہوگا اور سنتا بھی ہوگا، جو بڑا ہو کر اس کے ساتھ کھیلے گا بھی، اور اس کو بھائی جان بھی کہے گا، پھر بچے کے ذہن میں اس کے لیے فکر پیدا ہوگی کہ وہ رکھا کہاں جائے، وہ کیا کھائے گا اور کہاں سوئے گا؟ تب اسے آسانی کے ساتھ بتلایا جا سکتا ہے کہ وہ تو امی کے پاس ہی رہے گا، انہی کے پاس سوئے گا بھی، وہ تمہارا مُنا جو ہوا۔ اور امی ہی تمہارے مُنّے کو دودھ بھی پلائیں گی۔ بہر حال بچے کو ہموار کرنا اور اُس کے دل میں آنے والے

بچے کے لیے ہمدردی پیدا کرا دینا مشکل کام نہیں ہے۔ مگر ہمارے گھرانوں میں تو پہلے بچے کے دل میں دوسرے بچے کی طرف سے حسد پیدا کر دیا جاتا ہے، وہ اس سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے، اپنا حریف قرار دے لیتا ہے اور پھر اس کے ساتھ بے رحمی کا برتاؤ ہی پسند کرتا ہے۔

دوسرا بچہ اس کے گھر اچانک آتا ہے، اور اس طرح آتا ہے کہ پہلا بچہ اپنے ساتھ دوسروں کی توجہ کو واضح طور پر کم پاتا ہے، اپنے ساتھ لوگوں کے برتاؤ میں یک لخت نمایاں تبدیلی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ چیز اس کے لیے غیر متوقع ہوتی ہے جس کے لیے وہ پہلے سے تیار نہیں ہوتا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اب وہ اس بچے سے دشمنی کرنے لگتا ہے۔ اگر نئے بچے کے آنے سے پہلے اس کو آگاہ کیا جاتا رہے، اور اس کو یہ بھی یقین دلایا جاتا رہے کہ مُنا چونکہ اس کا ہے اس لیے سب کو اس سے محبت ہے، تو پھر وہ تعارض نہ کرے گا ـــــ ورنہ دوسرے بچے سے حسد، بچے میں جس طرح کی خرابیاں پیدا کر دیتا ہے وہ ہم بڑی آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ صرف حسد ہی کو لے لیجیے جو نومولود سے متنفر کرا دیتا ہے ـــــ کتنی بُری چیز ہے ـــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے :-

"حسد سے بچو، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے۔
جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے"۔ (ابوداؤد)

اب آپ خود ہی اندازہ کر لیجیے کہ جب بچے کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو وہ کیا بن جائے گا ؟ اور اس انسان کی زندگی کتنی ہولناک ہوگی جس

میں نیکیاں نہ ہوں گی؟

بغض اور نفرت دوسری خرابی ہیں جو اس میں پیدا ہو جاتی ہیں' اس کے پیدا ہونے کے بعد توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے تمام معاملات کو رَوا داری کے ساتھ نبھا سکے گا۔

اور ان سب پر مُستزاد اُس کی وہ حرکت ہے جس کے ذریعے وہ بہانے بنا کر ماں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔ یہ چیز بڑھتے بڑھتے اس میں جھوٹ کی خصلت پیدا کر دیتی ہے۔ جھوٹ کے سِلسلے میں' میں تفصیل سے ساتھ بتا ہی چکا ہوں۔ یہاں صرف رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قولِ مبارک پر اکتفا کرتا ہوں:۔

"جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے' اور بدی جہنّم میں پہنچاتی ہے
اور انسان برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے
نزدیک وہ کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔" (بخاری)

اللہ کی پناہ' اس ناپسندیدہ حرکت سے

یہ سب کچھ پڑھ لینے کے بعد ایک بات آپ کے دل میں ضرور کھٹک رہی ہوگی کہ کوئی ماں اپنے بچے کے ساتھ اس طرح زیادتی نہیں کرتی۔ کوئی ماں اپنے بچہ کی طرف سے اس طرح بے اعتنائی نہیں برتتی' اور کوئی ماں اپنے بچے کے ساتھ ایسی بے انصافی اور ظلم نہیں کرتی ——— لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی ماں دانستہ ایسا نہیں کرتی ہے۔ البتہ جب آپ یہ محسوس کریں کہ دوسرے بچے کے آجانے کے بعد آپ کا بچہ اس ڈھرے پر چلنے لگا ہے

تو آپ فوراً اس کا کھوج لگائیں کہ کس معاملہ میں آپ سے کوتاہی ہوگئی ہے، اور کس بات میں بچہ اپنے آپ کو اپنے حقوق سے محروم سمجھ رہا ہے اس طرح جب آپ کے علم میں وہ بے توجہی آجائے گی تو آپ خود اندازہ کر سکیں گی کہ واقعی پہلے بچے کے ساتھ بے انصافی ہوگئی ہے۔

بچّہ کا ضمیر

بچہ ایک چھوٹا موٹا کھلونا تو ہے۔ لیکن بے جان نہیں! کھلونے کو آپ کس طرح رکھیے اٹھائیے لیکن سا پنچے نے اُس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ ڈال دی ہے، وہ ماند نہیں پڑتی۔ بچہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ ڈانٹ دیجیے تو اس کی آنکھیں چھلک پڑیں گی اور وہ رو دے گا، گود میں اٹھاکر پیار کرلیجیے تو اُس کے ہونٹوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ پھیل جائے گی۔ وہ بڑا نازک کھلونا ہوتا ہے، اور پیچیدہ باطن کا حامل بھی!۔

بچہ، بچہ صرف بچہ ہی نہیں ہے، وہ مستقبل کا پختہ کار انسان بھی ہے۔ اپنی آنے والی زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی صلاحیت کے ذریعہ تیاری بھی کیا کرتا رہتا ہے، اور بہت کچھ سیکھتا بھی رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اُن تمام تجربات کا حامل نہیں ہوتا جو ایک انسان میں ہوتی ہیں، لیکن ان تجربات سے گذرنے کے لیے اُس کے جسمانی نظام میں ناپختہ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کو آپ کیسے نظرانداز کر سکتی ہیں ؟ لیکن انجانے میں ہم انھیں نظرانداز کر ہی دیتے ہیں۔

بچّہ کی طرف سے عام طور پر ہمارا رویّہ یہ ہوتا ہے کہ جیسے وہ بس بچّہ ہی تو ہے۔ ہاں' یہ صحیح ہے کہ وہ صرف بچّہ ہے۔ لیکن اس کو اہمیت نہ دینے کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے۔ آپ اُسے کھانا کھلاتی ہیں، پانی پلاتی ہیں' کپڑے پہناتی ہیں' آرام وہ بستر پر سلا دیتی ہیں۔ بس !؟ آپ ہنس دیں گی' میری خدمت کو اس طرح انگلیوں پر گن کر تو نہ گھٹایئے۔ ان سب کے پیچھے ایک پیار اور ایک ممتا چھپی ہوتی ہے' اُسے آپ کس انگلی پر گنیں گے؟ میرے نزدیک یہی ممتا اہم ہے' اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس ممتا کی جگہ جب حاکمیت لے لیتی ہے تو سارا کھیل بگڑ جاتا ہے۔

بچہ اپنی ایک شخصیت رکھتا ہے۔ اُسے وہ قدم قدم، نقش نقش، سجاتا رہتا ہے۔ اِن نازک معصوم خطوط کو چھیڑ دیجیے تو اس کی کائنات بکھر جاتی ہے' اور وہ بڑی الجھنوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہ خرابی اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب بچہ کی شخصیت کا احترام نہیں کیا جاتا۔ اُسے غیر اہم تصوّر کیا جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ کچھ ایسا رَویّہ رہتا ہے کہ جب چاہے اُسے ٹوک دیجیے' روک دیجیے۔ یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ اُس کے احساسات وجذبات پر کیا بیتے گی۔

بچہ کبھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اُس کی خواہش اور مرضی میں کوئی رکاوٹ ڈالے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس کی ہر خواہش درست یا مناسب نہیں ہوتی' اسی وجہ سے بڑوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اُسے مناسب خواہش کے انتخاب کرنے کا سبق سکھائیں۔ لیکن' سبق سکھانے کے انداز بھی تو مختلف

ہوتے ہیں۔ سختی سے ٹوک دیئے جانے پر بچہ سخت ناگواری محسوس کرتا ہے اور جذباتی طور پر اُلجھ جاتا ہے۔ اس لیے، اگر نرمی اور محبت کے ساتھ اُس کو مناسب خواہشوں کی طرف موڑا جائے تو اُس کی شخصیت مجروح نہیں ہوگی۔ بچہ جلسہ گاہ میں لٹکے ہوئے غباروں کے لیے مچل جاتا ہے۔ آپ ڈانٹ دیتی ہیں۔ "نہیں، بدتمیز کہیں کے، بدنیت!" ممکن ہے بچہ سہم کر خاموش ہو جائے، لیکن اتنے بہت سے لوگوں کے سامنے آپ نے جو اُسے ڈانٹ دیا ہے، اُس کی چوٹ کون اچھی کرے گا۔؟

آپ بچہ کے کپڑے بدل رہی ہیں۔ بچہ کہتا ہے کہ وہ فلاں رنگ کی قمیص یا بش شرٹ پہنے گا۔ آپ جھڑک دیتی ہیں۔ "نہیں، یہی پہنو! اس میں کون سے لعل ٹنکے ہیں"۔ بچہ منھ بسور کر رہ جاتا ہے۔ ممکن ہے وہ اپنے دل میں یہ بھی سوچ رہا ہو۔" واہ، میری پسند کوئی پسند ہی نہ ہوئی"۔ ممکن ہے کہ اسکے الفاظ اتنے استدلالی نہ ہوں، لیکن احساس تو ایسا ہو سکتا ہے۔ بہرحال، یہاں پھر اس کی شخصیت مجروح ہو کر رہ جاتی ہے۔

آپ لوگ آپس میں باتیں کر رہی ہیں۔ بچہ کا دل چاہتا ہے کہ وہ بھی کچھ بولے، اور وہ بول دیتا ہے۔ آپ کے نزدیک یہ بدتمیزی ہوئی۔ آپ اُسے گھڑک دیتی ہیں۔ "تجھ سے کس نے کہا تھا بیچ میں بولنے کو؟"۔۔۔ بچہ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس نے کون سی بدتمیزی کی ہے، یا ناگواری کی اُس نے کون سی بات کہہ دی۔ یہ اُلجھن اُسے کچھ عجیب انداز سے سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

آپ مہمانوں کی خاطرداری میں لگی ہوئی ہیں۔ بچہ کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ وہ بیچ کمرہ میں یا دالان میں اپنے کھلونے پھیلا کر زمین پر بیٹھ جاتا ہے، اور اپنی معصوم دنیا میں مگن ہوجاتا ہے۔ یہ پھوہڑپن آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ آپ اُس پر برس پڑتی ہیں۔ وہ اپنے کپڑے گندے کر لیتا ہے، بٹن اُلٹے سیدھے لگا لیتا ہے، جوتے کی ڈوریاں کھول ڈالتا ہے، یا بال بے ترتیب کر لیتا ہے۔ اور آپ اُس کی بدسلیقگی پر واویلا مچانے لگتی ہیں۔ اتنے بہت سے لوگوں کے سامنے اپنی رسوائی اُس کو بہت گراں گذرتی ہے۔ اپنی ہتک وہ کیسے انگیز کرلے۔

بچے کے ساتھ برتاؤ کا یہ ایک انداز ہے، جس میں سخت مزاجی اور غصہ کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا انداز وہ بھی ہوتا ہے جس میں محبت اور ممتا کو ضرورت سے زیادہ دخل ہوتا ہے۔ جی ہاں، ضرورت سے زیادہ!

آپ کے مہمان آئے ہوئے ہیں، آپ خوش گپیوں میں مگن ہیں پھر اچانک آپ کی ممتا جوش مارتی ہے۔ "آشی، یہاں تو آنا لاڈو، ذرا اپنی آنٹی کو وہ چڑیا والی نظم تو سنانا۔" اور بچی چابی والے کھلونے کی طرح شروع ہوجاتی ہے۔ کبھی آپ اُس سے کہانی سنواتی ہیں، کبھی گنتیاں، کبھی پہاڑے، کبھی کچھ، کبھی کچھ! اس برتاؤ میں بچی کے لیے کہیں کوئی ناگواری نہیں ہے، لیکن دوسروں سے قریب آنے کا وہ صرف ایک ہی طریقہ سیکھ پاتی ہے۔ چابی والے کھلونے کا طریقہ!

بچہ کبھی کچھ خود کرنا چاہتا ہے۔ آپ اُس کی طلب کے بغیر اُس کی

مدد کے لیے پہنچ جاتی ہیں۔ آپ اُسے نہیں کرنے دیتیں، خود کر دیتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتا، لیکن آپ اپنی ممتا میں اُسے نظرانداز کر دیتی ہیں۔ اُسے ایک عجیب بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔

بہت سے موقعے ایسے آتے ہیں جب بچّہ اپنے حوصلہ سے بڑھ کر کچھ سوچتا ہے اور اُس پر عمل کرنا چاہتا ہے لیکن آپ بار بار اُسے احساس دلاتی ہیں کہ "ابھی تم چھوٹے ہو۔" مثلاً آپ کہیں جانا چاہتی ہیں، آپ کو رکشہ یا سواری کی ضرورت ہے۔ بچہ کہتا ہے: "امّی، میں بُلا لاؤں؟" آپ کہتی ہیں: "ارے نہیں بیٹے، تم مت جانا، تم بہت چھوٹے ہو۔" آپ کسی مسئلہ پر غور کر رہی ہیں، ہمجولیوں سے مشورہ کر رہی ہیں۔ دس بارہ سال کا بچہ کہتا ہے: "امّی یوں کر لیجیے، زیادہ بہتر رہے گا۔" ممکن ہے بعد میں آپ کو اسی طرح کرنا پڑے، لیکن بر وقت آپ اُسے جواب دیتی ہیں تو یہ: "بیٹے، یہ تمہاری عمر سے بڑی بات ہے۔" غرض اس طرح کے کتنے ہی مواقع آتے ہیں جب بچہ جھنجھلا کر رہ جاتا ہے۔ اُسے اپنے آپ کو کم عمر تصوّر کیے جانے پر اعتراض ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اُسے بھی بڑا تصوّر کیا جائے۔

اپنے ہم عمروں اور ہمجولیوں کے درمیان بچّہ اپنی سبکی برداشت نہیں کر سکتا۔ خواہ یہ سبکی سرزنش کے انداز میں کی جائے یا لاڈ پیار میں۔ بچّہ اپنے ہم عمروں کے درمیان اپنا بھرم قائم رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اپنی انا اور اپنے ضمیر کا اعتراف چاہتا ہے۔ وہ ان کے درمیان اس

طرح رہنا چاہتا ہے کہ اس کے ساتھی اس کی اہمیت کے قائل ہوں۔ اگر اس اہمیت کو آپ اپنی جھڑکی یا لاڈ میں گھٹا دیں، تو اُسے اپنی توہین کا احساس ہوتا ہے جس کو وہ انگیز نہیں کر پاتا۔ کوشش کیجئے کہ اس طرح آپ اُس کی خود پسندی کو چوٹ نہ پہنچائیں۔

ان مختلف مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بچہ اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حیثیت اُسے عزیز ہوتی ہے ـــــ اُسے کیا، ہم سب کو عزیز ہوتی ہے ـــــ اُس کی شخصیت کی صحت مند اور پسندیدہ نشو و نما کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کی ذات کا مناسب اعتراف کیا جائے۔ اُس سے، اس میں شک نہیں کہ غلطیاں بھی ہوں گی اور معصوم لغزشیں بھی۔ ایسے مرحلوں میں صالح تربیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اُس کے ضمیر کو ضرب پہنچائے بغیر اُسے صحیح راہ پر ڈال دیا جائے تاکہ وہ صحت مند طور پر پروان چڑھ سکے۔

بہت زیادہ ڈانٹنے جھڑکنے سے بچے کا ضمیر پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور اس کی شخصیت منتشر ہو جاتی ہے۔ بکھری ہوئی ذات کا حامل فرد صحیح اور صالح انداز میں نہ تو سوچ سکتا ہے اور نہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ اُس میں ابتداء سے ہی ٹیڑھ پیدا ہو جاتی ہے۔ انجام کار، یا تو وہ بزدل اور ڈرپوک بن جاتا ہے یا باغی ہو جاتا ہے۔ میں اس سانحہ کو کبھی بھی نہیں بھول سکتا کہ ایک صالح اور خدا کا خوف کھانے والے بزرگ کی ایسی ہی سختیوں نے، جن کی مثالیں میں اوپر دے چکا ہوں، ان کی ساری

اولادوں کو جرائم پیشگی پر مجبور کر دیا۔ ان لڑکوں کی گفتگو میں ہمیشہ میں نے بغاوت کی جھلک دیکھی ہے۔

اس کے برخلاف، اگر آپ، اپنی غیر معمولی محبت ہی کی وجہ سے سہی، بچہ کو اپنی صلاحیتوں کو آزادانہ طور پر استعمال کرنے کا موقع نہ دیں گی۔ تو وہ سمٹ کر ٹھٹھر کر رہ جائے گا، اور اُسے اپنی ذات پر اعتماد کرنا نہ آئے گا۔ اُسے ہر وقت یہ احساس دلانا کہ وہ ایک ننھا بچہ ہے، اس کے اندر ناپسندیدگی کے رُجحان کو پروان چڑھا دیتا ہے۔ اس لیے دانشمندی اس میں ہے کہ اُس کو اپنے حوصلوں کو بلند کرنے کا موقع فراہم کرتی رہیں بچہ کو اگر یہ اطمینان حاصل رہے کہ وہ اپنی اہمیت یا اپنے مقام سے محروم نہیں کیا جا رہا ہے، بلکہ اُس کی انفرادیت کا مناسب اعتراف کیا جا رہا ہے تو اُس کی شخصیت کی صحت مند تعمیر ممکن ہو سکے گی۔

چند لفظوں میں

- بچہ کی تربیت کی ذمہ داری صرف ماں پر نہیں، باپ پر بھی ہے۔
  بحر دو والدین
- بچوں کے سامنے بے پروائی کے ساتھ، غیر محتاط طور پر عمل و فعل کرتے رہنا درست نہیں، کیوں کہ غیر ذمہ دارانہ ماحول میں رہ کر بچہ غیر ذمہ داری کی زندگی گزارنا سیکھتا ہے۔
- آپ بچہ کی طرف سے بے اعتنائی برتیں گی تو بچہ غلط ماحول کا انتخاب

کرے گا۔ بے انتہا پابندیاں بھی عائد نہ کیجئے، ورنہ بچہ اُکتا کر ساری پابندیوں کو توڑ ڈالے گا۔

○ اپنا حکم ظلم کے ساتھ نہ منوائیے، ورنہ موقع پاتے ہی بچہ، نہ صرف آپ سے بلکہ آپ کے اصولوں سے بھی، بغاوت کردے گا۔

○ بچوں کے معاملہ میں ہمیشہ عیب چینی سے کام نہ لیجیے، ورنہ بچہ انتقاماً کجروی اختیار کرلے گا۔

○ بے جا لاڈ پیار بچہ کو صواب و ناصواب کے بارے میں سوچنے کا موقع نہیں دیتا۔ بچہ کو خود اپنے اُونچ نیچ کے بارے میں سوچنے کا موقع دیجئے۔

○ بچہ کو وقت سے پہلے بزرگ نہ سمجھیے، ورنہ آپ کی نظر میں ناقص ہونے کی وجہ سے خود بھی ناقص بن جائے گا۔

○ بچہ کم عمری میں اطاعت و فرماں برداری کے لیے تیار ہوتا ہے، آپ اُسے طعنے اور طنز سے اپنے مقابل نہ کھڑا کیجئے۔

دوسرا بچہ بحیثیت شریک

○ دوسرے بچہ کے پیدا ہونے پر بھی پہلے بچہ کو اپنا حق ملنا چاہیئے اس کے ساتھ محبت، شفقت اور توجہ اتنی ہی زیادہ رہنی چاہیئے جتنی پہلے تھی، ورنہ دوسرے بچہ کو وہ اپنا دشمن سمجھنے لگے گا۔

○ بچپن میں اگر بچہ آپ کی ناز برداریوں سے محروم رہا تو ساری زندگی وہ یہی تشنگی محسوس کرتا رہے گا۔

○ آنے والے بچہ کے لیے پہلے بچہ کے دل میں پہلے ہی سے محبت اور دلچسپی کے تاثرات پیدا کر دیں۔

بچّہ کا ضمیر

○ بچہ کی نا پختہ صلاحیتوں کو نظر انداز نہ کیجیے۔

○ بچہ دوسروں کے سامنے اپنی ہتک گوارا نہیں کرتا۔

○ بچہ کو یہ بات کھلتی ہے کہ اُسے ہمیشہ بچہ ہی تصور کیا جائے۔

○ اپنے ہمجولیوں کے درمیان، بچہ اپنی رسوائی پسند نہیں کرتا۔

○ بچہ اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ حیثیت اُسے عزیز ہوتی ہے۔

○ بچہ کی ذات مجروح ہو تو اُس کی شخصیت منتشر ہو جاتی ہے، اور وہ صحیح و صالح انداز میں سوچنے اور فیصلہ کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔

○ بچہ کو آزادانہ طور پر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا موقع دیجیے تاکہ اس کی ذات سمٹ کر اور ٹھہر کر نہ رہ جائے، بلکہ اپنی ذات پر اعتماد کرنا آجائے۔

○ بچہ کو اس کی اہمیت اور مقام کے اعتراف کی طرف اطمینان دلائیے تاکہ اُس کی شخصیت صحت مند انداز میں پروان چڑھ سکے۔

بچّوں کی صالح تعلیم

بچّوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں تمام احتیاطوں کے بعد ایک اور اہم مسئلہ سامنے آتا ہے، اور وہ ہے ان کو کچھ سکھانا۔ آپ خود ہی سمجھ سکتی ہیں کہ صرف روکنے ٹوکنے سے اور احتیاط برتنے سے تو کام نہیں چل سکتا بلکہ اگر آپ ایک بچے کو مسلسل ٹوکتی رہیں تو اُس کا ذہن اُلجھ کر رہ جائیگا وہ چِڑا جائے گا اور یہ چیز اس کے لیے بہت بڑی اُلجھن بن جائے گی کہ "وہ کیا کرے؟"۔

ہر وقت کی روک ٹوک اُس کو کچھ ایسی حالت میں مبتلا کر دے گی، جیسے کسی کو انتہائی تاریک کمرے میں ڈھکیل دیا جائے اور اس سے اپنا راستہ خود ہی تلاش کرنے کے لیے کہا جائے۔ اب وہ بے چارہ کیا کر سکے گا؟ سوائے اس کے کہ ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرے۔ راستہ اگر وہ بدقت تمام تلاش بھی کر لے تو کیا؟ یہ بھی تو دیکھیے کہ اس نے ٹھوکریں کتنی کھائی ہیں؟۔

پھر اب غور کیجیے کہ جو فرد اپنی زندگی میں مسلسل ٹھوکریں کھاتا رہے تو اس کا حال کیا ہوگا ؟

اس لیے آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ اپنے بچے کو ٹھوکریں کھانے سے، بھٹک جانے سے، بے راہرو ہونے سے بچائیے۔ کیونکہ جس بچہ کو مسلسل ٹوکا جائے گا وہ غبی ہو جائے گا، اس کی ذہانت اس کے اندر سے فنا ہو جائے گی وہ قدم قدم پر جھجکے گا کہ آیا وہ صحیح کر رہا ہے یا غلط۔ پھر مسلسل روک ٹوک ضد بھی تو پیدا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زندگی میں جہاں بچے کو عمل کی گمراہیوں سے بچانا ہوتا ہے وہاں اس سے بڑھ کر فرض ہم پر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی رہنمائی کریں اور اپنے تجربات اور تاثرات سے اس کو کم سے کم خطرات، خدشات اور ناکامیوں کا سامنا کرنے دیں۔ آخر چراغ سے چراغ جلتا ہے نا؟ تو پھر اپنے چراغ سے دوسرے چراغوں کو جلنے سے کیوں محروم رکھیں ؟

اس سے پہلے بھی میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ عمر کے ابتدائی چار سال بڑے قیمتی ہوتے ہیں، ان میں بچے کو جو کچھ سکھا دیا جائے وہ بے حد پائدار ہوتا ہے اور اس کے نقوش کافی عرصہ تک ــــ نہیں بلکہ ساری عمر تک ـــــــــ باقی رہتے ہیں۔ ہاں! اس متعین عمر کے بعد کے سال بھی کچھ کم اہم نہیں ہوتے ـــــ بچپن کا ایک ایک لمحہ گویا کسی تربیت گاہ میں گزر رہا ہوتا ہے۔ اب اس تربیت گاہ میں وہ کیا سیکھتا ہے ؟ یہ اس کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ اگر اسے اچھی باتیں سکھائی

گئی ہیں تو وہ ایک اچھا طالب علم ثابت ہوگا، اور اگر بُری باتیں سکھائی گئی ہیں تو وہ بُری باتیں سیکھ کر بُرا طالب علم ثابت ہوگا۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ "بجو بوکر گیہوں کاٹے جائیں۔" ناقص تعلیم دے کر اچھا طالب علم بنایا جائے۔ آپ نے آخر ایسے لوگ بھی تو دیکھے ہوں گے جو عمر بھر بھوت یا چڑیل سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ اب آپ ان کو لاکھ سمجھائیے کہ حضرت یہ سب آپ کا وہم ہے بھلا ایسی چیزیں بھی کہیں دنیا میں ہیں؟ اور پھر طرح طرح سے آپ ان کو مطمئن کریں۔ اب اگر وہ مطمئن بھی ہو جائیں گے تو بھی ان کے دل میں ایک خوف اور جھجک باقی رہ جائے گی اور بہت جلد ہی وہ آپ کی سمجھائی ہوئی ساری باتوں کو بھول جائیں گے۔ اب پھر اگر آپ اُن سے سوال کریں گی کہ کیا بزدلی ہے؟ جب آپ اچھی طرح جانتے ہیں بھوت اور چڑیل کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر یہ خوف یا ڈر کس چیز کا ہے؟ وہ کہیں گے بس کیا بتاؤں؟ یہ کمزوری مجھ میں بچپن سے ہے، اور میں اس کو دُور نہیں کر سکتا۔

ایسے ہی میرے ایک دوست ہیں جو اپنی تینوں بہنوں میں اکیلے چھوٹے بھائی ہیں۔ گو وہ اب ایک بچی کے باپ بھی ہیں لیکن اس قدر تنک مزاج ہیں کہ بات بات پر بچوں کی طرح روٹھ جانا اور روُٹھی صورت بنا لینا اُن کی عادت ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ ایسی حالت میں کوئی انہیں اس طرح منائے جیسے چھوٹے بچوں کو چمکارا جاتا ہے۔ میں نے ایک دن اُن کے سامنے اُن کی اس کمزوری کو کھول کر رکھا اور اُن کو اچھی طرح سمجھایا

کہ جناب! یہ تو کوئی خوبی نہیں ہے۔ وہ بے چارے پوری طرح "قائل بھی ہو گئے اور اپنی بات پر شرمندہ بھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے جو بات کہی ہے وہ بھی سن لیجئے"۔ "نہ معلوم کیوں میں اپنی اس کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے بھی وقت پر اپنے کو قابو میں نہیں رکھ سکتا"۔

لیجئے اب تو آپ کو اندازہ ہو گیا کہ وہ باتیں جو بچپن میں بچے کے ذہن میں بٹھا دی جاتی ہیں عمر بھر باقی رہتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن آپ خود سوچیے، کون سی صورت آسان ہے۔ ایک پودے کو اکھاڑ پھینکنا آسان ہے یا ایک پیڑ کو؟

صالح تعلیم کے سلسلہ میں مجھے جو بات خاص طور پر پیش کرنی ہے وہ یہ ہے کہ بچے کو "مت کرو" اور "نہ کرو" کے بجائے "یہ کرو" اور "یہ کرو" کی ہدایت دیں۔ کیونکہ جب کسی بچہ کو کسی کام سے باز رکھا جاتا ہے تو فوراً اس کے ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ "کیوں نہ کروں"؟ پھر یہ چیز اس کو اکثر غلط راہ پر ڈال دیتی ہے۔ بعض اوقات اس کا دماغ اس کو اس طرف رجوع کر دیتا ہے کہ "ذرا لاؤ اس کو کر کے تو دیکھوں کیوں یہ بُرا ہے؟ کیوں اس سے منع کیا گیا ہے؟" لیکن جب بچے کو صالح خیالات کی طرف ہی متوجہ رکھا جاتا ہے اور اس کو صالح افعال کرنے کی ہدایت دی جاتی رہتی ہے تو بلا وجہ "کیوں؟" کا سوال نہیں اُبھرتا اور بچہ بھٹکنے سے بچ جاتا ہے۔

بچوں کی صالح تعلیم کے لیے پہلے سے بڑی تیاری اور انتظام کی ضرورت

ہے۔ اس کے لیے بچے کے مزاج سے پوری واقفیت بے حد اہم ہے۔ پہلے ہم اس بارے میں ہی کسی قدر تفصیل سے عرض کریں گے پھر تعلیم کے دلچسپ طریقے پیش کریں گے۔

بچّے کی خصلتیں

کسی عمر کے بچّے کو غور سے دیکھیے، وہ آپ کو کچھ نہ کچھ کرتا ہوا نظر آئے گا۔ اگر وہ چند ماہ کا بچہ ہے تو اپنے ہاتھ پیروں کو ادھر اُدھر پھینکتا رہے گا، اِدھر اُدھر کروٹیں لیتا رہے گا، یا پھر اپنے ہاتھ یا پیر کے انگوٹھے کو چوستا رہے گا۔ اگر آٹھ دس ماہ کا بچہ ہوگا تو کھسک کھسک کر چلنے کی کوشش کرے گا، مختلف چیزوں کو اٹھانے کی کوشش کرے گا اور منھ تک لیجانے کی کوشش کرے گا۔ سال ڈیڑھ سال کا بچہ کھڑا ہونے اور ایک پلنگ سے دوسرے پلنگ پر جانے، نیچے سے اوپر چڑھنے یا اوپر سے نیچے اترنے کی کوشش کرے گا۔ اور اسی طرح اُن سے بڑی عمروں کے بچے بھی کسی نہ کسی مشغلہ میں اپنے آپ کو الجھائے رکھنے کی کوشش کریں گے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس امر کو ذہن نشین کر لینے کے بعد بچے کی بہت سی حرکات وسکنات نازیبا اور فضول نہیں ٹھہرتی ہیں، بلکہ ہم اس کے معاملہ میں زیادہ روادار اور سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔

بچے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ویسی ہی قوت اور توانائی رکھی ہے جس طرح اس نے آپ میں رکھی ہے۔ لیکن آپ تو اپنی قوت وتوانائی کو مختلف ضروری

کاموں میں صرف کر لیتی ہیں اور بچہ، جو دنیا کے بارے میں ابھی بالکل خالی الذہن ہے، وہ اس قوت و توانائی کو کہاں خرچ کرے؟ چنانچہ جب تک وہ اس عمر تک نہیں پہنچتا کہ وہ بھی تمام مسائل پر سنجیدگی سے غور کر کے عمل کر سکے، وہ اپنے بے مقصد افعال کے ذریعے ہی اس قوت و توانائی کو استعمال میں لایا کرتا ہے ـــ اوہ! بے مقصد افعال سے کہیں آپ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ واقعی وہ بے مقصد افعال کرتا ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ یہ افعال ہم کو آپ کو ہی بے مقصد نظر آتے ہیں، ورنہ اس کے لیے یہ بڑے ہی معنی خیز اور اہم ہوتے ہیں، وہ انہیں کسی نہ کسی ضرورت ہی کے تحت عمل میں لاتا ہے مثلاً اسے کسی چیز کو اٹھانا ہے، کسی چیز کو منہ میں رکھ کر اس کا ذائقہ چکھنا ہے یا اور کوئی کام ـــ!

بچہ اپنی قوت و توانائی کو زیادہ سے زیادہ کھیل کے ذریعہ صرف کرتا ہے۔ زندگی کے ابتدائی سالوں میں تو وہ ہر چیز کو کھیل ہی کی نظر سے دیکھتا ہے، کوئی بھی بڑے سے بڑا کام جو اس کے ذریعہ سے انجام پا جائے خواہ دوسروں کی نظر میں کتنا ہی اہم ہو، لیکن اگر اس نے اسے خوشدلی کے ساتھ کیا ہے تو وہ اس کے لیے کھیل کی صف میں شمار ہوگا۔ البتہ اس کے ذریعہ وہ بہت کچھ سیکھ جاتا ہے، مثلاً چند ماہ کے بچے ہی کو لیجئے، وہ اپنے ہاتھ پیر تو محض اپنے دل کو خوش کرنے کے لیے چلاتا رہتا ہے۔ کبھی وہ انہیں ہوا میں اچھالتا ہے، کبھی بستر پر پٹختا ہے اور کبھی کسی طرف پھینکتا ہے۔ لیکن اس کا یہ عمل اس کو بہت کچھ ہاتھ پیروں کو صحیح نشانہ پر بآدانی

کوشش پہنچانے میں مدد دیتا ہے۔ اسی طرح اس کے لیے اپنی جگہ سے ہٹ کر کچھ دور چلنا، چیزوں کو چٹکی سے اٹھانا، اور انہیں منھ تک لے جانا، ایسے چلنے، چیزوں کو رکھنے اٹھانے اور استعمال کے بارے میں سکھاتا ہے۔ غرض بچوں کے تمام وہ افعال جو بظاہر ان کے کھیل ہوتے ہیں قدرت کی طرف سے ان کی تعلیم کا ذریعہ ہیں۔

بچوں کے ایسے کھیلوں میں جن میں وہ خوشی محسوس کریں، کسی طرح کی بھی رکاوٹ ڈالنا اچھا نہیں۔ آپ خود غور کیجیے کہ جب ڈیڑھ سال کا بچہ بڑی کوشش کے بعد کسی پلنگ پر چڑھ جاتا ہے تو وہ کتنے زوروں سے کلکاریاں مارتا ہے، یا جب وہ کسی ڈبے کے ڈھکن کو ڈبے پر بند کرنا چاہتا ہے اور بڑی محنت کے بعد اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو خوشی میں کیسا اچھل اچھل کر ڈبے کو اپنی ہتھیلی سے پیٹتا ہے۔ یا پھر اس بچے کو دیکھیے جو بہت سی اینٹوں کو ایک لائن میں کھڑا کر دیتا ہے، پھر ایک طرف سے ایک اینٹ کو گراتا ہے اور تمام اینٹیں گرتی چلی جاتی ہیں، اور یوں اس کی ریل ایک اسٹیشن سے دوسرے اسٹیشن پر پہنچ جاتی ہے تو وہ کتنا خوش ہو کر تالی بجاتا ہے۔

اس طرح کے کھیل بچے کو ایسی چیزوں کے بارے میں کھوج لگانے کے لیے آمادہ کرتے رہتے ہیں، جن کے بارے میں اس کو کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے اس کے یہ کھیل اس کو بہت سی چیزوں کے بارے میں خود کچھ حل تلاش کرنے اور فیصلہ کر لینے پر اکساتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں بچے کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ انہی کی تسکین کے لیے وہ دو سال کی عمر تک اپنی ماں کے ساتھ کھیلا کرتا ہے۔ بلکہ یوں سمجھیے کہ وہ اپنی ماں کو کھلونا سمجھتا رہتا ہے جو اس کی بہت سی گتھیوں کو حل کر سکے۔ لیکن کچھ اور بڑا ہونے پر وہ اپنے باپ کے ساتھ گھل مل کر رہنے کی بھی اچھی خاصی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اس کو باہر تفریح کے لیے لے جائے، نئی نئی چیزیں دکھلائے، عجیب عجیب چیزوں کے بارے میں بتائے اور طرح طرح کی کہانیاں سنائے۔ یہ سب کچھ اس کے نزدیک کھیل ہی میں داخل ہوتا ہے۔

کھیل ہی کھیل میں اکثر ایسے مواقع آتے ہیں جب بچہ کچھ کرنا چاہتا ہے، لیکن ناتجربہ کاری کی بنا پر الٹا سیدھا کر جاتا ہے اور اس کے سوچے سمجھے منصوبے میں ایک بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے وقت وہ خود بھی گھبرا جاتا ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے یہ سب کچھ محض شرارتاً کیا ہے۔

ذرا اس سیدھے سادے سے واقعہ ہی کو مثال کے طور پر لے لیجیے کہ آپ کو وہ کئی بار انڈے تلتے ہوئے دیکھ چکا ہے۔ ایک دن "اتفاقاً" ایک انڈا اس کے ہاتھ لگ جاتا ہے، وہ اس کو لے کر باورچی خانہ میں پہنچتا ہے، انڈے کو توڑ کر ماہی توے میں ڈالتا ہے، پھر مرچ نمک اور جو مسالہ ہاتھ آجاتا ہے بے حساب اس میں ڈالتا ہے۔ اب چولھے کی باری آتی ہے اس میں وہ ڈھیروں لکڑیاں بھرتا ہے۔ ایک ماچس

جلاتا ہے اور پھکنی سے چولہا پھونکتا ہے، پھر دوسری بار ماچس جلاتا ہے اور پھونکتا ہے۔ یہاں تک کہ پوری ماچس جلا ڈالتا ہے اور چولہا نہیں جلا پاتا۔ اتنے میں آپ آجاتی ہیں، دیکھتی ہیں پورے باورچی خانے میں راکھ دھول کی طرح اُڑ رہی ہے۔ آپ گھبرا جاتی ہیں۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے باورچی خانہ میں داخل ہوتی ہیں تو دیکھتی ہیں کہ میاں صاحبزادے راکھ میں اَٹے ہوئے بھجند رہنے ہیں اور ماہی توے میں کبھی نہ معلوم کیا سوغات بنا کر رکھ چھوڑی ہے۔ اب دوسری تمام چیزوں کو دیکھتی ہیں تو اس دُرگت پر اور بھی چیں بہ جبیں ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ شرارت نہ تھی بلکہ وہ خود اپنے ہاتھ سے انڈا تلنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اس چولھے نے تمام کھیل بگاڑ دیا۔ اگر چولھا جل جاتا تو شاید وہ انڈا تل لیتا، لیکن اس چولھے نے ایسی بدنظمی پیدا کی کہ تمام بنا بنایا منصوبہ ایک شرارت بن کر رہ گیا۔

اس بدنظمی کی وجہ دراصل یہی تو تھی کہ اُس نے سوچ سمجھ اور دُور اندیشی سے کام نہیں لیا، بلکہ نتائج سے بے خبر اور صورتِ حال کا جائزہ لیے بغیر اس نے اپنی انڈا تلنے کی مہم کو جاری رکھا اور ناکامیاب ہوا۔ اگر بچے کی نگاہ سے دیکھیے تو شرارت ذرا بھی نہیں ہے بلکہ ایک تجربہ ہے۔ اور ہم اُسے ناکامی کی وجہ سے لائقِ مذمت سمجھتے ہیں اور ناراض ہو جاتے ہیں۔

ان ناکام تجربات کے معاملہ میں اگر احتیاط نہ برتی جائے تو وہ یقیناً

شرارت بن جاتے ہیں۔

ایک معصوم بچہ شیشہ کا گلاس پلنگ سے نیچے فرش پر پھینک دیتا ہے گلاس ٹوٹ جاتا ہے اور آپ چیخ پڑتی ہیں" شریر کہیں کا"۔ وہ اپنے چینی کے کھلونے کو زمین پر گیند کی طرح پٹختا ہے اور آپ بگڑ کر کہتی ہیں، "شریر کہیں کا"۔ غرض اس طرح جب وہ دن میں کئی بار ایسے فقرے سنتا ہے تو شرارت کو اپنا معمول سمجھ لیتا ہے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ کوئی نازیبا حرکت کرتا ہے، دوسرے بجائے اس کی اصلاح کرنے کے دلچسپی لینے لگتے ہیں تو وہ اس سے بڑھ کر حرکتیں کرتا ہے تاکہ دوسروں کو خوش کر سکے، اور یوں اس کی چھوٹی چھوٹی حرکتیں بڑھ کر بیہودگیاں بن جاتی ہیں۔ شرارتوں کے سلسلہ میں کرنا تو یہ چاہیے کہ جب بچہ تہذیب و اخلاق کی حدود سے گذرنے لگے تو اس کی شوخی کی روک تھام کی جائے نہ کہ اس کو اور شہ دی جائے یا صرفِ نظر کیا جائے ورنہ بعد کو اس کی حرکتیں آپ کو ناگوار گزریں گی۔ بدتہذیب اور بداخلاق بچہ کسی کو بھی پیارا نہیں ہوتا۔

بدتہذیبی اور بداخلاقی کی روک تھام اسی طرح کی جا سکتی ہے کہ اس کی تیزی اور شوخی کو اچھے کاموں کی طرف موڑا جائے۔ اسے اتنی فرصت نہ دی جائے کہ وہ بیکار بیٹھ کر سوچے، اور نہ اس کو نئے تجربے کرنے سے ہی روکا جائے۔ بعض اوقات اپنی طرف سے نئی چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اُکسایا جائے۔ اس کی شرارت کرنے کی

خصلت یوں اپنے اظہار کا پورا موقع پا جائے گی۔

ڈانٹ ڈپٹ کر بچّوں کو شرارت سے منع کر دینا اچھا نہیں، یہ خصلت بچے کی صحت پر برا اثر ڈالتی ہے۔ آپ نے بار بار دیکھا ہوگا کہ کمزور اور لاغر بچے شرارت نہیں کرتے اور تندرست اور توانا بچے شرارت کرنے کے لیے ہر وقت ہی تیار رہتے ہیں، دوسرے یہ کہ شرارت بچے کی قوتِ فکر کا پیمانہ ہے۔ یعنی جو بچہ شرارت کرے گا وہ یقیناً اپنے اندر اتنی ذہانت رکھتا ہوگا کہ نئی نئی شرارت سوچ سکے۔ وہ بچہ کیا شرارت کر سکے گا جو اپنی طرف سے کوئی بات نہ کر سکے۔ اس لیے ہمیں اس ذہانت سے بہترین فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

کھیل کود ہی میں اکثر ایسے مواقع بھی آجاتے ہیں جب رنگ میں بھنگ پڑجاتا ہے اور دو گھل مل کر کھیلنے والے بچے آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے ہیں ہوتا یہ ہے کہ ایک بچے کے ہاتھ میں کوئی چیز ہوتی ہے، دوسرا بچہ آکر اس کو چھین لیتا ہے اور کسی نئے مصرف میں لے آتا ہے۔ فرض کیجئے وہ کاغذ کا ایک تھیلا ہے اور دوسرے بچےنے ٹوپی کی طرح اپنے سر پر اُسے اوڑھ لیا ہے۔ اب پہلا بچہ دوبارہ اپنا تھیلا حاصل کرنا چاہتا ہے دوسرا بچہ نہیں دیتا۔ پہلا بچہ جھنجلا کر دوسرے کو پیٹ دیتا ہے۔ دوسرا بچہ بھی اپنے ہاتھ کی قوت کا مظاہرہ کر ڈالتا ہے پھر دونوں گتھم گتھا ہو جاتے ہیں اور رونے چیخنے کی آوازیں اُٹھنے لگتی ہیں۔ اس طرح کی وارداتیں سات آٹھ سال تک کی عمر کے بچوں میں کثرت سے نظر آتی

ہیں۔ دراصل بچہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لیے قوت و توانائی دے رکھی ہے، یہ نہیں جانتا کہ اس عطیۂ خداوندی کو کس طرح استعمال کرے، جسے وہ موقع بے موقع استعمال کر ڈالتا ہے۔ پھر آگے چل کر جب اپنے بزرگوں کی طرف سے اس کو رہنمائی نہیں ملتی تو وہ راہ چلتے بچوں کو چھیڑ دینا، انہیں پیٹ دینا یا گالیاں دے دینا ایک معمولی سی بات سمجھنے لگتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب بچہ بگڑ چکا ہوتا ہے۔ ان تمام احتیاطوں کا پہلے سے ہی خیال رکھنا چاہیئے تھا۔ بچے کی لڑائی جھگڑے کی خصلت کو ہمیں شروع سے ہی اچھے رُخ کی طرف موڑنا چاہیئے۔ اوّلاً بچے کے پاس کھیل کود اور مشغولیت کے لیئے اتنا سامان ہونا چاہیئے کہ وہ دوسرے بچوں کی چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ خواہ یہ چیزیں خالی ڈبّے، لکڑی، شیشے کے ٹکڑے وغیرہ کیوں نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ دوڑ بھاگ کے کھیلوں میں جب بچہ حصّہ لیتا رہے گا تو اس کو اتنا موقع نہ ملے گا کہ اب وہ پھر لڑائی کے لیے موقع تلاش کرے۔ کیونکہ فٹ بال، ہاکی، کبڈی اور کشتی وغیرہ میں اُس کی یہ قوت و توانائی پہلے ہی استعمال ہو چکی ہو گی۔ اسی وجہ سے آپ دیکھتی ہوں گی کہ جو بچے ایسے کھیلوں میں حصہ لیتے رہتے ہیں وہ بڑے ہی خوش طبع اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔ گالیاں بکنے والے، چڑ جانے والے اور شکست کھا کر رو دینے اور تھوک دینے والے بچے وہی ہوتے ہیں جن میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ دوسرے کا مقابلہ کر سکیں۔ ایسے بچوں کے لیے تو مناسب یہی ہو گا کہ ان کی صحت

کی فکر کی جائے۔

میں نے ایک صاحب کو لڑائی جھگڑے کو بڑی خوش اسلوبی سے ختم کراتے دیکھا ہے، اور مجھے اُن کا یہ طریقہ بے انتہا پسند ہے۔ جب بھی دو بچے اُن کے سامنے آپس میں الجھ گئے ہیں تو پہلے انھوں نے یہ کیا کہ دونوں کو الگ کیا اور پھر کہا۔

" اس طرح نہیں، تم دونوں کشتی لڑ لو۔ پھر جو جیت جائے وہ جیتا۔"

اس طرح وہ دونوں بچوں کو اپنے سامنے لڑاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بغض و عناد تو ختم ہو چکتا ہے، زور آزمائی کا ایک کھیل البتہ ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمیں بھی چاہیئے کہ جب دو بچے ایکدوسرے کو نقصان پہنچانے کی فکر کر رہے ہوں تو ہم ان کی حسرت بھی پوری کر دیں اور بات بھی نہ بگڑنے دیں۔ بچوں کا ایک عام کھیل یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کی نقل اتاریں۔ یہ گڑیوں کے کھیل اور پھر اس میں کسی کا ڈاکٹر بننا، کسی کا باپ بننا، کسی کا استاد بننا، یہ سب نقل ہی تو ہے۔ وہ جب لکڑی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لیتا ہے، اور سب کے منہ میں لگاتا پھرتا ہے اور کہتا ہے "میں ڈاکٹر ہوں"۔ تو وہ اپنے سے کسی بڑے کو دیکھ کر ہی ایسا کرتا ہے، اور ایسے ہی دوسرے افعال اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ اپنے سے بڑوں کی نقل اتارنے کے لیے ہر وقت تیار ہے۔ بعض اوقات اس کی یہ نقلیں ہمارے لیے بڑی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں، اور ہم اس سے اس طرح کی مزید حرکتوں کا تقاضا کرنے

لگتے ہیں۔ مثلاً جب وہ غوں، غاں کرنے لگتا ہے، چار پانچ ماہ کی عمر میں انگلیوں سے اشارے کرنے لگتا ہے، چھ سات ماہ کی عمر میں دوسروں کو دیکھ کر خود بھی سر پر سلام کی غرض سے ہاتھ رکھ لینے لگتا ہے، اور دوسروں کی نقل میں ویسی ہی آوازیں نکالنے کی کوشش کرنے لگتا ہے جیسے دوسرے نکالتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی اس خصلت سے اپنی آیندہ زندگی کے لیے بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔

غور کیجئے تو اس معمولی سی خصلت میں اللہ تعالیٰ نے بچے کے لیے کتنے بڑے بڑے فائدے چھپا رکھے ہیں، اپنی ذمہ دارانہ زندگی کے شروع ہونے سے پہلے ہی وہ نقالی کے کھیلوں کے ذریعہ کتنے ہی سنجیدہ کام کر چکا ہوتا ہے۔ مثلاً چھوٹی بچیوں کو دیکھیے جو گڑیوں کے کھیل ہی کے ذریعے سینا پرونا، کپڑوں کو تراشنا اور کھانا پکانا سیکھ لیتی ہیں، اپنے بڑوں کو گھرداری کے کام میں مصروف دیکھ کر وہ اپنے گڑیوں کے گھرانے میں بھی اسی طرح مصروف ہونے کی نقل کرتی ہیں۔

آپ نے اکثر چھوٹے بچوں کو دیکھا ہوگا کہ جس طرح اُن کے ماں باپ گفتگو کرتے ہیں، جس طرح وہ اُٹھتے بیٹھتے ہیں، اور جس طرح اور جس انداز سے پہنتے اوڑھتے ہیں، اسی انداز سے وہ بھی کرتے ہیں کیونکہ اس طرح بغیر سوچے سمجھے نقل کرنے میں اور کامیاب ہوجانے میں ان کو بڑی مسرت حاصل ہوتی ہے، اور یہ مسرت ہی ان کے لیے ایک کشش کا باعث اور کھیل کا سامان ہوتی ہے۔

بچے عام طور سے اپنے سے بڑوں کی نقل کرتے ہیں، مثلاً ماں باپ، دادا، دادی، بڑے بھائی اور بڑی بہن وغیرہ۔ یا پھر اُن لوگوں کی بھی نقل اُتارتے ہیں جو اُن کی نظر میں عزت کے لائق ہوں یا اُن سے کسی بات میں برتر ہوں، تاکہ وہ خود بھی ویسے ہی بن سکیں۔

یہاں مجھے ایک قرآنی آیت رہ رہ کر یاد آرہی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ٥ (والتین) ہم نے انسان کی بہترین صورت گری کی۔

اس صفت کی وجہ سے ہی اول روز سے انسان اپنے اندر اچھے سے اچھا بننے کی خواہش رکھتا ہے۔ بچے کی اس خصلت سے آپ کو اس صداقت کا اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ اس کی فطرت بنیادی طور پر صالح ہوتی ہے۔ اس لیے ہماری توجہ اس طرف ہونی چاہیے کہ ہم اس سے اچھے سے اچھا کام لینے کی کوشش کریں۔ اس کے اردگرد ایسا ماحول بنائیں کہ کوئی نقل کرنے کی خواہش ہو تو وہ اپنے سامنے اچھی ہی چیز نقل کے لیے پائے، لیکن اگر اس کو گھٹیا قسم کے لوگوں میں ڈال دیا گیا تو پھر وہ اُن جیسا ہی بننے کی کوشش کرے گا۔ میں نے ایک بچے کو دیکھا جو درجہ ہفتم تک تعلیم پانے کے بعد اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ مجبوراً وہ گھر پر رہنے لگا اور وہاں جاہلوں کے درمیان پڑ گیا، اُن کے پاس اُٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے وہ اُن سے اس قدر متاثر ہوا کہ ان ہی کی طرح انتہائی بھدی اور بھونڈی زبان بولنے لگا اور اس کے طور طریقے بھی ویسے

ہی ہو گئے۔

اس خصلت کو نہ تو بُری سمجھ کر لڑکے سے چھُڑانا چاہیئے اور نہ اس کو طفلانہ حرکت سمجھ کر نظر انداز کر دینا چاہیئے۔

بچّوں میں تقلید کا مادہ کافی ہوتا ہے۔ آپ دیکھیں گی کہ بہت سے کام وہ اپنے سے بڑوں کے کہنے کے مطابق کرتے ہیں۔ وہ بے چارے اپنے اندر اس عمر میں اتنی ذہنی پختگی نہیں رکھتے کہ تمام کام اپنی ہی قوت فیصلہ کے مطابق کر سکیں، اس لیے وہ دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ ان سے پوچھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انھوں نے صابن سے اس لیے منھ دھویا کہ اُن کی امّی نے بھی ایسا ہی کیا تھا، یا وہ درجہ میں بیٹھ کر کیوں باتیں کرنے لگتے ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ اُن کے ماسٹر صاحب بھی تو ایسا ہی کر لیا کرتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ وہ پان کیوں کھانا چاہتے ہیں؟ وہ سگریٹ کیوں پینا چاہتے ہیں؟ یا پھر وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے ہیں؟ وہ پابندی سے صبح کیوں نہیں اُٹھتے ہیں؟ تو وہ فوراً یہی کہیں گے کہ اُن کے فلاں بزرگ بھی تو ایسا ہی کرتے ہیں۔

دراصل اس خصلت سے تو اللہ تعالیٰ بچے کو یہ فائدہ پہنچانا چاہتا ہے کہ وہ اپنے سے بڑوں کی رہنمائی میں زندگی کے دشوار گزار راستے کو طے کر سکے، لیکن اکثر بڑے اس بے چارے کو اُلٹا اور دشواریوں میں ڈال دیتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کے لئے تقلید کے قابل ایسے نمونے پیش کریں کہ وہ ایک صالح بندہ بن کر پروان چڑھے نہ کہ

باغی بن جائے۔ ہم اس کے سامنے خراب نمونے رکھنے کے بجائے اچھے نمونے کیوں نہ رکھیں ــــــ یہ وہ چند خصلتیں ہیں جن سے ہم کو تقریباً ہر وقت سابقہ پڑتا ہے اور ان ہی کے ذریعہ ہم بچے کو سنوار سکتے ہیں۔

بچوں کی آزادی

آپ نے بچے کی زندگی میں اس چیز کو اچھی طرح محسوس کیا ہوگا کہ آزادی کو وہ اپنا فطری حق سمجھتا ہے، اور اس حق کے حاصل کرنے کے لیے وہ بڑی سے بڑی ٹکر بھی لے لیتا ہے، وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے اس پیدائشی حق سے کسی بھی وقت دست بردار ہو جائے۔ اس کا غصہ اس کی ضد، اس کی شرارت، یہ سب چیزیں کیا ہیں؟ اسی بات کا اظہار تو ہیں کہ وہ اپنی آزادی کو کسی طرح ہاتھ سے دینا نہیں چاہتا۔ وہ نہیں پسند کرتا کہ اس کی دلچسپیوں میں کوئی دوسرا بھی حارج ہو۔

لیکن اکثر گھروں میں میں نے دیکھا ہے کہ بچے کو بالکل نا اہل ہی سمجھا جاتا ہے۔ فرض کیجئے وہ تھرماس کھولنا چاہتا ہے، جیسے ہی وہ ڈھکن کھولنا چاہتا ہے امی جان کہہ اٹھتی ہیں "لا مجھے دے میں کھول دوں، تو کیا کھول پائے گا، تجھے تمیز بھی ہے"۔ اب اس کا اثر کیا ہوگا؟ ــــ یہی ناکہ آیندہ بچہ تھرماس کھولنے کی کوشش نہ کرے گا اور کبھی یہ جسارت کی بھی تو گھبراہٹ اور اپنی نا اہلی کے احساس کی وجہ سے توڑ بھی ڈالے گا۔

یہ پابندی آیندہ زندگی میں بڑی مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔ اکثر گھرانے ایسے نظر آئے ہیں کہ جہاں مردوں نے سفر کی تیاری کے وقت سامان باندھنے میں کسی کو ہاتھ لگانے نہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب اُن کے یہاں کی عورتوں لڑکوں کو اس کا اتفاق ہوا تو وہ بے چارے اپنا سامان سلیقے سے تیار ہی نہ کر سکے۔ بستر بندھا ہے تو وہ بے ہنگم۔ بکس ہے تو وہ بے ڈھنگے پن سے ٹھنسا ہوا ہے۔ غرض کیا کہیے، کیا منظر ہوتا ہے۔ میں تو یہ انتہائی ضروری سمجھتا ہوں کہ جب بچے کو کوئی کام ظاہر کرنا ہی پڑ جائے تو اسے کرنے دینا چاہیئے اور کبھی یہ کہہ کر دخل نہ دینا چاہیئے کہ تو کیا کر پائے گا؟ جب تک وہ دو چار بار ایک کام کو نہ کرلے گا کیسے کر پائیگا۔ ہاں اس بات کا خیال ضرور رکھیئے کہ جب بچہ اس کام کے کرنے میں کوئی غلطی کرنے لگے تو آپ اس قدر ہدایت ضرور دیں کہ وہ صحیح طریقہ جان جائے۔ پھر اُسے خود ہی کرنے دیجیے۔

لیکن آپ کی یہ مدد کبھی حد سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ مثلاً بچہ چارپائی پر چڑھنا چاہتا ہے، کوشش پر کوشش کر رہا ہے اور کامیاب نہیں ہو پاتا، آپ آتی ہیں اور مارے محبّت کے اُسے اوپر چڑھا دیتی ہیں۔ بھلا اس سے بچے کو کیا فائدہ ہوا؟ ——— یہ ٹھیک ہے کہ وہ چارپائی پر چڑھ گیا، لیکن اس کو وہ مسرّت تو حاصل نہیں جو اُسے خود چڑھ جانے میں ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ ایک مرتبہ کامیاب ہو جاتا تو انتہائی خوشی کے عالم میں کئی بار اور چڑھنے کی کوشش کرتا، اور یہاں تو آپ نے اپنی

محبت میں آکر اس کے آزادانہ مشغلہ میں رکاوٹ ڈال دی۔

اسی طرح یہ چیز بھی بچّوں کی آزادی میں بُری طرح حارج ہوتی ہے کہ ایک بچہ چند بے کار چیزوں کے ساتھ کھیل رہا ہو، اور اُن میں وہ اس طرح مگن ہو کہ آپ کی بھی فکر نہ رہے۔ اب آپ پہنچیں اور پہنچتے ہی سوال کریں" ایں؟ یہ کیا کوڑا کباڑ تو کھیل رہا ہے؟ کھیلنا ہی ہے تو جا کر اپنے کھلونے لے آ۔ اور اُن سے کھیل"۔ مگر اس ہدایت سے پہلے کیا آپ نے خود کبھی غور کیا ہے کہ جن چیزوں سے وہ کھیل رہا ہے، وہ اس کے لیے مضر ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس بے جا مداخلت سے کیا حاصل ہوا؟ سوائے اس کے کہ جس کھیل میں اس کا دل بہلا ہوا تھا اس سے بھی جی اُچٹ گیا۔ اب آیندہ وہ یہی سوچے گا کہ جن چیزوں سے وہ کھیل رہا ہے وہ کھیلنے کے لائق بھی ہیں یا نہیں؟

سب سے زیادہ مضر چیز بچے کے لیے یہ ہے کہ اس کے ساتھ بلا وجہ کی روک ٹوک روا رکھی جائے یہ مت کر، وہ مت کر، ایسے مت چل، ویسے مت دیکھ، غرض کہ مت، نہیں، ہائیں کے سیکڑوں بم ہوتے ہیں جو قدم قدم پر اس کی راہ میں گرتے رہتے ہیں اور وہ حیران و پریشان رہتا ہے۔ کہ کس کس بم سے بچے اور کس کس بم کو گرنے نہ دے۔ ایسی پُر خطر راہ جس میں ہر قدم پر سیکڑوں خطرے ہوں، بچہ تو بچہ، بوڑھوں کے بس میں نہیں ہوتی کہ طے کرلی جائے۔

اگر آپ اس کی راہ میں ان تمام رکاوٹوں میں سے دو ایک بھی

کم کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ نے اُس کے حق میں بہت کچھ کر دیا۔ بچّہ کبھی بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اُسے ہر وقت ہی نکو بنایا جائے، وہ تو چاہتا ہے کہ گھر والے اس سے انتہائی محبّت کریں، اس کے کسی بھی فعل پر ناک بھوں نہ چڑھائیں اور اسے خوب کھیلنے اور خوش رہنے دیں۔ بس اگر آپ بچہ کو یہ احساس دلا سکیں کہ جیسا وہ چاہتا ہے آپ ویسا ہی کر رہی ہیں، تو آپ نے اس کی بہت سی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ اب ان ہمدردیوں کا سہارا لے کر آپ اس کی بدعنوانیوں اور خامیوں کو بڑی آسانی سے دُور کر سکتی ہیں۔

مثلاً بچّہ کھیلنا چاہتا ہے۔ آپ پہلے یہ دیکھیں کہ وہ وقت اور وہ کھیل اس کے لیے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ اگر مناسب ہے تو شوق سے کھیلنے دیں ورنہ اس کے لیے ایسے بھی کھیل فراہم کر سکتی ہیں جو اس کو کچھ دیر کے لیے پڑھائی میں لگائے رکھیں یا کام کرنے میں مشغول کر سکیں مثلاً بیت بازی، چٹکلے، پہیلیاں، تعلیمی کھیل وغیرہ۔ یا پھر یہ کہ "دیکھیں بھئی تم کو یہ بھی معلوم ہے یا نہیں کہ شکر کہاں رکھی ہے؟ ذرا لے تو آؤ، میں تمہارے واسطے چائے بناؤں۔"

اب شاید آپ سمجھ گئی ہوں کہ آزادی سے میری مراد کیا ہے؟ یہی کہ بچّہ ہر کام کو یہ سمجھ کر ہی کرے گا کہ وہ اپنی مرضی سے کر رہا ہے، نہ کوئی زبردستی اس سے کرا رہا ہے، اور نہ کوئی ہر وقت اس پر مسلط رہتا ہے کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق اپنے کھیلوں میں جی بہلا سکے۔ اس انداز سے

زندگی گزارنے والے بچے صرف یہی نہیں کہ ذہین ہوں، بلکہ یہ صفت بھی ان کے اندر بدرجۂ اُتم پائی جاتی ہے کہ اپنے تمام کام ہنس کھیل کر کریں اور خوش مزاجی اور خوش طبعی کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ آیندہ تعلیم کے سلسلہ میں یہی چیز بے انتہا مفید ثابت ہوتی ہے اور بچہ بلند حوصلگی کے ساتھ اپنی منزل طے کرتا چلا جاتا ہے۔

بچّوں کے کھیل

ہر جگہ کھیل کا تذکرہ دیکھ کر اور پھر اس کے لیے پُر زور سفارش سُن کر تو آپ کے دل میں یہ سوال ضرور اُٹھنے لگا ہوگا کہ آخر یہ کھیل ہیں کیا؟ ان سے بچے سیکھ کیا پاتے ہوں گے؟ ہم نے تو آج تک یہی سُنا تھا کہ کھیل بچّوں کو خراب کرتا ہے، اور اب یہاں اس کے بالکل خلاف سُننے میں آرہا ہے۔ بس اسی الجھن کو دُور کرنے کے لیے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بچے کھیلتے کیوں ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اتنی قوت اور توانائی عطا فرمائی ہے کہ وہ زندگی میں پیش آنے والے تمام مراحل میں اپنے اعضائے جسمانی سے کام لے۔ یہ صبح سے لے کر شام تک اور مہینوں سے لے کر سالوں تک جتنے کام وہ کرتا رہتا ہے اُن کے لیے اُس کو کافی طاقت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ قوت اس دن اللہ تعالیٰ پیدا نہیں کرتا جب اس کی ضرورت ہو، بلکہ جس دن سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس دن سے

ہی اس کے اندر قوت و توانائی کا وافر خزانہ رکھ دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک انسان تو اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیات کی وجہ سے اپنی اس قوت و توانائی کو استعمال بھی کرتا رہتا ہے جو اس کو عطا کی گئی ہے اور بچے پر کسی طرح کی ذمہ داری اور مصروفیت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قوت و توانائی کسی مصرف میں نہیں آتی۔ اب یہ قوت و توانائی اس کے اندر یونہی جمع تو ہوتی نہ رہیگی۔ بلکہ وہ بچے کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ بھی کچھ کرے چنانچہ وہ جب بستر پر پڑا ہوتا ہے تو اپنے ہاتھ پیر ہی اِدھر اُدھر پھینکنا شروع کر دیتا ہے، جب کچھ اور بڑا ہوتا ہے تو اِدھر اُدھر بھاگتا دوڑتا رہتا ہے یا پھر بے مقصد چیزوں کو رکھتا اٹھاتا رہتا ہے یا توڑتا پھوڑتا رہتا ہے۔

حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ ابھی ابھی مدرسہ سے تھکا ماندہ آرہا ہے، اور ابھی دوسرے بچے نے آواز دی کہ آؤ آنکھ مچولی کھیلیں، اور وہ بے انتہا تھکا ہونے کے باوجود آنکھ مچولی کھیلنے پہنچ جاتا ہے۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ تو اپنی زائد قوت و توانائی کو پڑھنے لکھنے میں صرف کر ہی چکا، اب یہ کہاں سے عود کر آئی؟ جب ہم اس کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کھیل صرف زائد قوت و توانائی کا خرچ کرنا ہی نہیں ہے بلکہ دماغی اور جسمانی تھکن کے بعد ذرا تھوڑی دیر کے لیے تفریح سے لطف اٹھانا بھی ہے، اس کا آپ نے بھی اپنی زندگی میں تجربہ کیا ہوگا۔ جب آپ کچھ دیر کام کرتے کرتے تھک جاتی ہوں گی تو کسی ایسی دلچسپی میں کچھ لمحے گزارنا پسند کرتی ہوں گی

کہ وہ دماغی اور جسمانی تھکن جو آپ کو اس کے سلسلہ میں اٹھانی پڑی ہے دور ہو جائے، اور ایسا ہوتا بھی ہے۔ پھر آپ نے اپنے گھر کے مردوں کو بھی دیکھا ہوگا کہ کام پر سے آنے کے بعد وہ فوراً ہی تفریح کے لیے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ پہلے سے تھکے ہوتے ہیں اور مزید تھکنے کے لیے چلے گئے، مگر غور کیجیے تو ان مثالوں سے آپ صاف طور پر معلوم کر لیں گی کہ جس قسم کی تھکن انہوں نے کام کے سلسلہ میں اٹھائی ہے وہ تفریح کے سلسلے میں کیوں پیش نہ آئے گی، پھر بھی یہ کھیل کا تفریح کی خاطر ہی ہونا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اگر صرف کھیل تفریح اور دلچسپی کے لیے ہوتے تو پھر بچے ایک کھیل کھیلنے کے بعد دوسرا کھیل کیوں کھیلنے لگ جاتے؟ ان کا دل ایک کھیل کھیلتے کھیلتے بھر جاتا ہے تو وہ دوسرا کھیل کھیلنے لگ جاتے ہیں، آخر کیوں؟

اس کا جواب تو میں اس سے پہلے بھی دے چکا ہوں کہ بچے صرف اپنی قوت و توانائی صرف کرنے اور تفریح و لطف اندوزی کے لیے ہی کھیل نہیں کھیلتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے زندگی کا وسیع میدان پھیلا دیا ہے۔ جس سے ان کو کامیاب و کامراں ہو کر گزرنا ہے۔ انھیں یہ بھی کوشش کرنی ہے کہ وہ کم سے کم ٹھوکریں کھائیں۔ چنانچہ ان گڑیوں کے کھیل اور خیالی دنیا کے سلسلے میں وہ بہت کچھ پہلے ہی سے سیکھ رکھتے ہیں۔

ایک بچی جب گڑیوں کا گھروندا بناتی ہے، اس کے کپڑے سیتی

ہے، اس کے لیئے کھانا تیار کرتی ہے، اس کا بیاہ رچاتی ہے۔ اور ایک بچہ جب ڈاکٹر بنتا ہے، مزدور بنتا ہے، ابو جان بنتا ہے اور ایسے ہی دوسرے سوانگ رچاتا ہے تو زندگی میں پیش آنے والے کتنے ہی فرائض ہوتے ہیں جن کا وہ پہلے ہی سوانگ بھر چکا ہوتا ہے، اور پھر آگے چل کر وہ اُن سے کتنی مدد لیتا ہے؟ اس کا اندازہ آپ خود کر سکتی ہیں۔ کتنی ہی بچیاں ہوتی ہیں جو کھیل ہی کھیل میں گھرداری کے متعدد کام سیکھنا شروع کر دیتی ہیں اور بچپن میں گڑیوں کی سگھڑ ماں بننے کے بعد وہ بڑی ہو کر ایک سلیقہ مند خاتون بن جاتی ہیں۔

غرض اس طرح آپ محسوس کر سکتی ہیں کہ بچوں کے کھیل، تفریح اور زائد قوت و توانائی کے استعمال کے ساتھ ہی ساتھ اُن کی آیندہ زندگی کے لیے پہلے سے تیاری کر رکھنے کا ذریعہ بھی ہیں۔

اب آپ بچے کی پیدائش کے دن سے لے کر اس کی ابتدائی عمر تک کا جائزہ لیجئے اور دیکھیے کہ وہ کیا کرتا ہے؟

جیسے ہی بچہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پیر ہلا سکے اُس کے کھیل کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا اِدھر اُدھر ہاتھ پیر پھینکنا، کروٹیں لینا، انگوٹھے کو منھ میں لینا، پیر کے چوسنے کی کوشش کرنا، یہ آخر سب کیا ہے۔؟ کھیل ہی تو ہے۔ اور اس کھیل کے ذریعہ ہی وہ اپنے جسم کے اکثر حصّوں سے واقف ہو جاتا ہے، اس کا استعمال جان جاتا ہے۔ اس زمانہ میں اس کے لیے کسی طرح کا بھی کوئی کھلونا کارآمد نہیں ہوتا، وہ اس طرف توجہ نہیں

دیتا۔ ہاں جب وہ تین چار ماہ کا ہوجاتا ہے تو ایسی چیزوں کو ضرور پسند کرنے لگتا ہے جن کو وہ منھ میں رکھ سکے یا اپنے ہاتھوں سے بآسانی اٹھا سکے۔ اس وقت ایسے ہی ربڑ وغیرہ کے کھلونے دینا مناسب بھی ہوتا ہے۔ پانچ چھ ماہ کی عمر میں نہ صرف منھ میں رکھنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ اب تو وہ ایسے کھلونے چاہتا ہے جن سے آواز بھی نکل سکے، مثلاً جھنجھنے وغیرہ۔ جب وہ ان کھلونوں کو ہلاتا ہے اور اُن سے آواز نکلتی ہے تو وہ بے حد خوش ہوتا ہے۔ اس عمر میں اس کا ایک پسندیدہ کھیل یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے منھ سے طرح طرح کی آوازیں نکالے اور ان کو سُن کر خوش ہو۔

آٹھ نو ماہ کی عمر تک جب وہ اُٹھنے بیٹھنے لگتا ہے، یا پھر اپنی جگہ سے کھسکنے لگتا ہے تو اس کی حرکتوں میں اور اس کے کھیلوں میں کافی اضافہ ہوجاتا ہے۔ اب وہ خود چیزوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب کوئی چیز پسند نہیں آتی ہے تو اُس کی طرف سے رُخ پھیر لینے کے بجائے اُسے پھینک دیا کرتا ہے۔ چھوٹی موٹی چیزوں کو اٹھا کر منھ میں رکھ لیا کرتا ہے۔ ڈبّے اور بکس کھولنے کی بھی کوشش کرتا ہے، اور ایسے کھولنے بند کرنے والے کھیلوں میں اس کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے، خواہ اس کی انگلیاں ہی کیوں نہ کسی چیز میں پھنس جائیں۔

پھر جب بچہ چلنے پھرنے کے لائق ہوجاتا ہے تو وہ ایسے کھلونوں کو پسند کرتا ہے جن کے سہارے وہ چل سکے یا جن کی رسّیاں کھینچکر

وہ خود اُن کو بھی چلا سکے۔ سال دو سال کے بعد وہ کھلونوں ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ اب وہ رنگین تصویروں اور کتابوں میں بھی دل چسپی لینے لگتا ہے۔ نہیں! کتابیں پڑھنے کے لیے نہیں، صرف اُن کے ورق اُلٹنے پلٹنے، پھاڑنے، اور تصویروں کو دیکھنے کے لیے ـــــ اس عمر میں وہ چھوٹے کھلونے، ریل گاڑی، کرسی، میز، گڑیا، گڈے وغیرہ بھی پسند کرتا ہے۔ تین، چار سال کی عمر میں وہ اکیلا کھیلنا پسند کرتا ہے یہ دور وہ ہوتا ہے جب اس کو پلٹ کر، یا کچھ دیر رُک کر، اپنے پچھلے کھیلوں کو کھیل کر، جو کچھ سیکھا ہوتا ہے اسے پختگی سے سیکھنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنا پسند نہیں کرتا۔

لیکن اس عمر سے گزرنے کے بعد وہ دوسرے بچوں کے ساتھ گھُل مِل کر ہی کھیلنا پسند کرتا ہے۔ اب وہ ان کے ساتھ گھروندے بناتا، ابّو جان بنتا اور دوسرے سوانگ رچا کر کھیلتا رہتا ہے۔ اکیلے کھیلتے ہوئے اب وہ اُکتانے لگتا ہے، اور اکیلا وہ کھیل بھی کیا سکتا ہے؟ ہر قدم پر دوسرے ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ بھلا اکیلا قاضی بن کر وہ کس کے مقدمے کا فیصلہ کرے گا؟ یا اکیلا استاد بن کر کن بچوں کو پڑھائے گا؟ یا اکیلا اپنے خیالی بازار جا کر کس سے سودا خریدیگا؟

اس چار پانچ سال کی عمر تک آپ نے بچے کے کھیلوں کی نوعیت دیکھ لی۔ دیکھیے کیسے کیسے عمر کے بڑھنے کے ساتھ اس کے کھیلوں میں تبدیلی آتی جاتی ہے، اور کیسے کیسے یہ کھیل اس کے ان افعال سے مناسبت

اختیار کرتے جاتے ہیں جن کو اسے سیکھنا ہوتا ہے۔ مثلاً کبھی اپنے جسم کے حصوں سے آگاہ ہونا، کبھی بولنے کی کوشش کرنا، کبھی چیزوں کو رکھنے اٹھانے کی کوشش کرنا، کبھی چلنے پھرنے کی کوشش کرنا اور کبھی دوسروں سے گھل مل کر رہنا۔ اب بتایئے اگر یہ کھیل نہ ہوتے تو بچہ یہ سب کیوں کر سیکھتا؟ اور وہ بھی اتنی جلد!

دراصل کھیل کے ذریعہ بچوں کو کچھ سکھانا زیادہ آسان ہے۔ بہ نسبت یہ احساس دلانے کے کہ وہ کوئی فرض انجام دے رہا ہے۔ کھیل میں بچہ جس قدر دلچسپی لیتا ہے اس قدر وہ کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتا۔ آپ خود اس چیز کو آزما سکتی ہیں۔ ایک چھ سات سال کی بچی کو اپنے پاس بٹھا لیجئے اور اس سے کہئے کہ آؤ دیکھیں کون جلدی پلیٹیں دھوتا ہے۔ دیکھئے وہ کتنی پھرتی کے ساتھ اور خوش دلی کے ساتھ آپ سے سبقت لے جانے کی کوشش کرے گی۔ لیکن پھر فوراً ہی اُس سے یہ کہہ کر اُٹھ جایئے۔ "یہ سارے برتن تم کو ہی دھونے ہیں" اور اب اُس کے چہرے کو ملاحظہ کیجئے، مرجھاتا ہوا سا، رنجیدہ سا اور غصہ سے یا ناپسندیدگی سے تمتمایا ہوا ــــــــــ یہی تو ہوگی اس کے چہرے کی کیفیت؟

پھر بتایئے کہ وہی کام جس کو وہ ایک حالت میں پوری دلچسپی کے ساتھ کر سکتی ہے، دوسری حالت میں جبر کے ساتھ کیوں کرایا جائے؟ اسی وجہ سے بچوں کو جو کچھ سکھانا ہے وہ زیادہ تر اُن کو کھیلوں ہی کے ذریعہ سکھایا جائے۔

پچھلے صفحات میں میں آپ کو یہ بتا ہی چکا ہوں کہ بچے اپنی ابتدائی عمر میں کیسے کیسے کھیل کھیلتے ہیں۔ اب یہاں میں بچوں کے کھیلوں کے بارے میں بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ عام طور سے ان کے کھیل کس طرح کے ہوتے ہیں۔

بچے عام طور سے چیزوں کو بڑی بے احتیاطی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ کھلونوں کو پھینکنا، پٹخنا اور توڑنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ اس طرح وہ مختلف چیزوں کے خواص سے آگاہ ہوتے ہیں۔ انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کس طرح کی چیزیں کمزور ہوتی ہیں اور کس طرح کی چیزیں پھینکنے اور پٹخنے سے بھی نہیں ٹوٹتی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ احتیاط تو ضرور درست ہے کہ بچوں کو ایسے کھلونے فراہم نہ کیے جائیں جو نازک ہوں اور جلد ٹوٹ جائیں، لیکن یہ کسی طرح بھی درست نہ ہوگا کہ جب بچہ کسی کھلونے کو بے دردی سے استعمال کر رہا ہو تو اُسے جھڑک دیا جائے، کیونکہ اس روک ٹوک کے بعد وہ اپنے تجربوں کو جاری نہ رکھ سکے گا۔

بچے اکثر بے معنی شور، ہنگامہ، بھاگ دوڑ اور کُود پھاند بھی پسند کرتے ہیں۔ بظاہر اس طرح کی آوازیں اور یہ بھاگ دوڑ آپ کے لیے بیکار ہوتی ہیں، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کے کاموں میں رُکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس طرح کے کھیلوں میں یہ فائدہ پوشیدہ رکھ چھوڑا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پیروں کو اور جسم کے مختلف اعضا کو

چابک دستی کے ساتھ استعمال کرسکیں۔ ان کو اس طرح کے کھیلوں کے ذریعہ اپنے جسم کو بھرتیلا اور حیثیت وچالاک بنانے کا پورا موقع دیں۔

کبھی بچے ریت میں سرنگیں بناتے ہیں، کبھی مٹی کے کھلونے بناتے ہیں، کبھی لکڑی اور تنکوں سے چھپر بناتے ہیں، کبھی ریل گاڑی بناتے ہیں، کبھی کچھ کبھی کچھ غرض اس طرح وہ پہلے سے ہی مختلف چیزوں کا بنانا اور ان کا استعمال جان جاتے ہیں۔ آیندہ زندگی کے لیے یہ تعمیری کھیل بڑے ہی مفید ہوتے ہیں۔ بچپن کا انجینیر بڑا ہو کر اچھا خاصا عملی شخص بن جاتا ہے۔ اس طرح کے تعمیری کھیلوں میں اُن کو عام طور سے دوسروں کی مدد کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ یوں وہ دوسرے لوگوں سے اپنے کاموں میں مدد لینا بھی سیکھ جاتے ہیں۔

بلی کے بچوں کو تو آپ نے آپس میں کھیلتے دیکھا ہی ہوگا کہ اُن کا کھیل آپس میں لڑنا جھگڑنا ہی ہوتا ہے۔ بچے بھی اکثر کھیل میں لڑتے جھگڑتے ہیں، کبھی وہ فوج کے سپاہی بن کر ایک دوسرے سے جنگ آزما ہوتے ہیں، کبھی پہلوان بن کر ایک دوسرے سے کشتی لڑتے ہیں اور کبھی اسی میں لطف حاصل کرتے ہیں کہ کسی کو گرائیں، دھکا دیں یا کسی اور طرح ہاتھا پائی کریں۔ یہ کھیل انہیں آیندہ زندگی میں آنے والی رکاوٹوں اور مصیبتوں سے سامنا کرنا سکھاتا ہے۔ جو بچہ بچپن میں اس طرح بھڑ جانے سے نہیں گھبراتا وہ آگے چل کر بھی بڑی سخت سے سخت مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرے گا۔

ان تمام طرح کے کھیلوں سے مختلف وہ کھیل ہوتے ہیں جو بچے خاموشی سے بیٹھ کر اپنے دماغ کو استعمال کرتے ہوئے کھیلتے ہیں۔ مثلاً پہیلیاں بوجھنا آپ نے دیکھا ہوگا کہ پہیلیاں بوجھنے میں بچے کتنی دل چسپی لیتے ہیں، اور پہیلی بوجھ لینے پر اُن کو کتنی خوشی ہوتی ہے۔ کہانیاں سُننا بھی اُن کا پسندیدہ کھیل ہے۔ غور کیجئے تو آپ دیکھیں گی کہ وہ صرف کہانی سُن کر لُطف ہی نہیں لیتے ہیں، بلکہ اُسے یاد رکھنے کی بھی کوشش کرتے ہیں، اور پھر جیسے لوگوں کے بارے میں وہ ان کہانیوں میں سُنتے ہیں ویسا ہی بننے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کھیل سے ایک مسلم خاتون پورا پورا فائدہ اٹھا سکتی ہے کہ وہ بچوں کو صالح اور خدا پرست بندوں کے حالاتِ زندگی سے متعارف کرائے۔

بیت بازی، لفظ بنانا، تعلیمی تاش، بچوں کا کھیل وغیرہ ایسے ہی کھیل ہیں جن سے بچوں کی ذہنی استعداد بڑھتی ہے۔ اور پھر جب یہ کھیل دل چسپ ہوتے ہیں تو بچے اور بھی زیادہ شوق کے ساتھ اپنے دماغ کو کام میں لاتے ہیں۔ انھیں اس کا زیادہ سے زیادہ موقع ملنا چاہیے تاکہ ذہنی لحاظ سے وہ زیادہ سے زیادہ بالغ ہو جائیں۔

بچوں کو کھیل میں ہی راست بازی سکھائی جا سکتی ہے۔ بچوں میں عام طور سے یہ جذبہ ہوتا ہے کہ وہ جیت جائیں۔ چنانچہ وہ اکثر ایسا بھی کرتے ہیں کہ کسی چیز کو واقعہ کے خلاف بیان کرتے ہیں۔ ایسے وقت اگر ان کو سمجھا دیا جائے کہ ان کی یہ حرکت اچھی نہیں، اسے جھوٹ کہتے ہیں، اور

جھوٹ بولنا اچھے بچّوں کا کام نہیں ہے، اللہ میاں جھوٹ بولنے والے بچوں سے ناراض ہوجاتے ہیں، تو وہ آیندہ احتیاط برتنے کی کوشش کریں گے۔

بازنا ہوا بچّہ عام طور سے جھگڑ بھی پڑتا ہے۔ اُسے اگر سمجھا دیا جائے کہ کھیل میں لڑنا تو اچھی بات نہیں۔ اگر وہ اس طرح تمام لڑکوں سے غلط بات پر جھگڑتا رہے گا تو پھر اس کے ساتھ کوئی بھی نہ کھیلے گا۔ اور وہ اکیلا رہ جائے گا۔ پھر وہ کیا کرے گا؟ اس طرح چند ایک بار سمجھانے کے بعد وہ بڑا متحمل مزاج اور خوش اخلاق بچہ بن جائے گا۔

ایک ایک اچھائی کے فروغ دینے کے بارے میں کہاں تک لکھا جائے؟ اور چند ایک نمونوں سے آپ بہت کچھ خود ہی کر سکیں گی۔

بچّوں کے کھیل کے بارے میں ایک توجہ آپ کی طرف سے بھی ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ آپ بچّے کو غور سے دیکھیں کہ وہ کہیں اپنے سے کم عمر بچوں کے کھیلوں میں دل چسپی تو نہیں لے رہا ہے اور وہ کہیں اپنی عمر کے بچّوں کے کھیلوں میں شریک ہونے سے جھجکتا تو نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس میں کوئی نہ کوئی جسمانی یا دماغی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ اس کی فکر کریں اور توجہ دیں کہ وہ خرابی جو اس میں پیدا ہوگئی ہے دُور ہوجائے۔ جسمانی کمزوری تو علاج معالجہ ہی کے ذریعہ دُور ہوسکتی ہے لیکن ذہنی بیماری دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُس کی دل چسپیوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے اور رفتہ رفتہ

اس کو ان چیزوں میں دلچسپی لینے کے لیے تیار کیا جائے جن سے وہ جھجکتا ہے۔

ابتدائی تعلیم

کھیل اپنی جگہ پر لاکھ اہم سہی، تعلیم تو بہرحال ان کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ بچہ ذرا بڑا ہوتا ہے، اور آپ کو اس کی تعلیم کی فکر ہو جاتی ہے۔ خاص طور سے یہ زمانہ جو گذر رہا ہے، اس میں تعلیم ایک ناگزیر صورت بن گئی ہے۔ جاہل انسان نہ صرف مختلف پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ بہت سی محرومیوں کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔ اس لیے آپ کی فکرمندی اپنی جگہ پر مناسب ہی ہے۔

ہمارا ملک تعلیم کے معاملہ میں خاصا پسماندہ ہے۔ تمام بچے تعلیم حاصل نہیں کر پاتے، کیونکہ بہت سے منصوبوں کے باوجود لازمی تعلیم کا سلسلہ شروع نہیں ہو سکا ہے۔ علاوہ ازیں، تعلیم کے جو چند وسیلے ہم کو میسر ہیں ــــــ یعنی اسکول اور مدرسے ــــــ ان میں کوئی سوچا سمجھا تعلیمی نصاب اور نظام رائج نہیں ہے۔ اکثر محض روایتی طریقۂ تعلیم ہی نافذ ہے، جس کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ طالب علم اور اُس کے تقاضوں کی طرف سے بالکل غافل ہے۔ نام کے لیے جو گنے چُنے نرسری یا کنڈرگارٹن تعلیمی ادارے ہمیں بڑے بڑے شہروں میں نظر آتے ہیں، ان کی ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ جدید طریقۂ تعلیم کو ہمارے ماحول کے مطابق ڈھالنے کے بجائے بچوں کو کورانہ مغربی تقلید کے لیے

پروان چڑھاتے ہیں۔ اس طرح تعلیم کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اور نقالی کا جذبہ فروغ پاجاتا ہے۔ یہ ایک دشواری ہے، جس پر ملکی حالات کی مجبوری کی وجہ سے ہمیں عبور حاصل کرنا ہے۔

ہمارا آپ کا سوچنے کا انداز یہ ہے کہ ابھی تو بچہ چھوٹا ہے، ابھی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب بڑا ہوگا تو دیکھا جائے گا۔ اور بڑا کب ہوگا؟ یہ اس کی عمر پر نہیں آپ کے فیصلہ پر منحصر ہوتا ہے۔ آپ فیصلہ کب کریں گی یا کریں گے؟ یہ اس پر منحصر ہوتا ہے کہ آپ اُس کے تعلیمی اخراجات برداشت کرسکیں۔ وہ مائیں جو زیادہ سوجھ بوجھ نہیں رکھتیں، بچہ کو عام طور سے پڑوس میں کسی خاتون کے پاس بھیج دیتی ہیں، جو اس کے ہاتھ میں بغدادی قاعدہ پکڑا کر چارپائی پر بٹھا دیتی ہیں۔ خود گھر کے کاموں میں لگ جاتی ہیں، اور بچہ بلند آواز سے "ا، ب، ت" کی ہانک لگاتا رہتا ہے۔ کہیں ذرا وہ خاموش ہوا اور اُن خاتون نے وہیں سے للکارا! "اے چپ کیوں ہوگیا رے؟ سبق کیوں یاد نہیں کرتا؟"۔ بچہ پھر سہم کر وہی بے معنی سی رٹ لگانا شروع کردیتا ہے۔ یہ "ا، ب، ت" کیا ہوتی ہے؟ اس سے اُس کو فائدہ کیا ہوگا؟ یہ ایسے سوالات ہوتے ہیں جن کے اُس کو جواب نہیں ملتے۔ رفتہ رفتہ وہ ان سوالوں کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے، اور اس سے غفلت کے ساتھ تعلیم میں اس کی دلچسپی بھی ختم ہوجاتی ہے۔ وہ بس پڑوس کی خاتون کے یہاں گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے اس لیے چلا جاتا ہے کہ اُسے اپنے سر سے ایک بوجھ اُتارنا ہوتا

ہے۔ اس طرح تعلیم بچّہ کے لیے ساری زندگی ایک بوجھ بنی رہتی ہے۔ اور جیسے ہی اُسے موقع ملتا ہے، یا اُسے اتنا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کر سکے، وہ تعلیم سے رسّیاں تڑا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

مدرسوں اور اسکولوں کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ ایک درجہ میں بہت سے بچّوں کے درمیان ایک استاد یا ماسٹر، جو ہر بچّہ کی طرف خصوصی توجّہ نہیں دے سکتا، تمام بچّوں کو ایک ہی ڈھرے سے پڑھاتا رہتا ہے۔ اب بچہ چاہے ذہنی طور پر کمزور ہو یا بے حد ذہین، اُسے اُسی طرح اور اتنا ہی کام کرنا ہے جتنا استاد چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں، اس سے کم کرنے پر سزا لازمی! نتیجہ یہ کہ ذہین بچّہ ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے اور کند ذہن بچہ اپنی کمی کو پورا نہیں کر پاتا۔

یہاں ایک مشکل اور سامنے آتی ہے۔ بچہ اسکول یا مدرسہ میں زیادہ سے زیادہ چھ یا سات گھنٹے رہتا ہے۔ باقی وقت وہ اپنے گھر پر والدین کے ساتھ، یا اپنے دوستوں اور ہمجولیوں کے ساتھ گذارتا ہے۔ اس عرصہ میں وہ کیا کرے۔ کم عمر بچوں کو گھر پر کرنے کے لیے مشقی کام اتنا نہیں دیا جا سکتا کہ وہ باقی سارا خالی وقت اس مصروفیت میں گذار سکیں۔ والدین کا رویّہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم تو اسکول یا مدرسہ میں دی جاتی ہے، اس کے لیے ہم کیوں پریشان ہوں۔ مشقی کام بچہ اور اُستاد کی ذمہ داری ہے، ہم سے کیا مطلب! اس طرح اسکول اور گھر میں خاصا

فاصلہ قائم ہو جاتا ہے، اور بچّہ ان دونوں جگہوں کو الگ الگ دنیائیں تصوّر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بچّہ کی تعلیمی ترقی کے لیے یہ روّیہ خاصا نقصان رساں ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بچّہ کو ایک نہ ایک دن مدرسہ یا اسکول جانا ہی ہے۔ اس سے کہاں تک بچا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس مرحلہ کے لیے بچّہ کو تیار کریں۔ میرے ذہن میں چند مشورے ہیں، آیئے ان پر غور کریں، ممکن ہے ان کے ذریعہ بچّہ کی کچھ مدد ہو سکے۔

ابتدائی تین سال تک بچّہ لکھنا پڑھنا نہیں سیکھ سکتا۔ اگر وہ "ا، ب" پہچاننے لگتا ہے تو یہ پڑھنا نہیں ہوتا بلکہ کھیل ہوتا ہے۔ ممکن ہے آپ کو خوش کرنے کے لیے، آپ کی نقل میں، اُس نے ان حروف کو پہچاننا شروع کر دیا ہو۔ الفاظ کی ساخت اور ان کی پہچان تو اُس کے لیے اور مشکل کام ہوتا ہے۔ اس لیے کبھی اُس پر یہ غیر ضروری بوجھ نہ ڈالیے۔

ایک صاحب نے اپنی تین سال کی بچّی کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ اُسے جدید کھیل کے اسکول میں داخل کریں جہاں ساری تعلیم کھیل کود کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ مگر ان کے دینی تقاضے نے اُن کو اس بات کے لیے بھی آمادہ کیا کہ وہ اُسے قرآن مجید بھی پڑھا دیں۔ یہ تعلیم انھوں نے گھر پر دینی مناسب سمجھی۔ بچی کی ماں اُسے لے کر بیٹھ جاتی تھیں اور بغدادی قاعدہ پڑھاتی تھیں۔ بچی غیر معمولی طور پر ذہین تھی، اس لیے وہ تمام حروف کی تقطیع چند گھنٹوں میں یاد کر گئی۔ لیکن جب اُس سے پوچھا جاتا کہ "ا" کہاں

ہے تو کبھی وہ "ص" پر انگلی رکھ دیتی، کبھی "د" پر کبھی "ی" پر کبھی "ق" پر، کبھی پھر "ی" پر۔ غرض صحیح حرف پر انگلی نہ رکھتی۔ اگر اُسے بتا دیا جاتا کہ "ا" کہاں ہے تب بھی وہ جان بوجھ کر اُس پر انگلی نہ رکھتی۔ سختی یا محبت کوئی حربہ اُس پر کام نہ کرتا۔ یہاں تک کہ مہینے گذر گئے لیکن وہ حروف کی تقطیع سے آگے نہ بڑھ سکی۔ والدین کے لیے یہ ایک اچھا خاصا مسئلہ تھا، جس کا حل اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آپ غور کریں تو اندازہ ہوگا کہ بچی کو ان حروف سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیوں کہ اس کے لیے ان میں کوئی معنی نہیں تھے۔ اگر ان حروف میں معنی پیدا کر دیئے جائیں، اور کھیل کی سی دل چسپی پیدا کر دی جائے تو بچی کے لیے حروف کو پہچاننے کا شوق پیدا ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں بہ آسانی تعلیمی تاش اور حروف کے گٹکے یا "بچوں کا کھیل" کے نام سے بازار میں مل جاتے ہیں۔ ان کے ذریعہ بچّہ کھیل ہی کھیل میں حروف پہچاننا شروع کر دیتا ہے۔ ("بچوں کا کھیل" مکتبہ الحسنات کا تیار کردہ ہے۔)

تین سال کی عمر تک بچّہ جملے بنانے اور جملوں میں ربط پیدا کرنے میں دلچسپی نہیں لیتا۔ پانچ سال کی عمر تک اُس کے لیے تین یا چار الفاظ سے زیادہ کا جملہ ذہن پہ بار ہوتا ہے۔ وجہ یا منطق کا لحاظ رکھنا اُس کے لیے بے معنی ہوتا ہے۔ اس لیے اس زمانہ میں اُس سے کتابیں پڑھنے کا تقاضا نہ کیجیے۔ اس کی توجہ تو سُننے اور تجربہ کرنے کی طرف ہوتی ہے۔ اس لیے اُسے عملی تعلیم دیجیے۔ آپ گھر میں بہت سے کام کرتی ہیں بہت سی چیزوں کے نام اُسے معلوم ہوتے ہیں۔ کوئلہ یا کھریا سے، زمین پر

ہی سہی، اُس چیز کا نام لکھ دیجیے۔ فکر نہ کیجیے کہ وہ حروف کی تقطیع سے آشنا نہیں ہے۔ یہ الفاظ خود اُس کے لیے نشان یا علامت بن جائیں گے۔ بار بار ان ناموں کے لکھے جانے کی وجہ سے وہ ان سے مانوس ہو جائے گا۔ پھر جب وہ بہت سے الفاظ سے واقف ہو جائے تب آپ ہر لفظ کو توڑ توڑ کر بتائیے کہ ان میں کون کون سے حروف ہیں۔ آپ دیکھیں گی کہ ایک حرف بہت سے ناموں یا الفاظ میں آیا ہے۔ بچہ اس کو آسانی سے پہچان لے گا۔ یہ راست طریقۂ تعلیم کہلاتا ہے۔ اس کے بارے میں بہت سی کتابیں اردو میں مل جاتی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اگر آپ اس طریقۂ تعلیم کو سیکھ لیں تو بچہ کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو روشن کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

تعلیم کے سلسلہ میں سب سے بڑی دشواری حساب کے معاملہ میں پیدا ہوتی ہے۔ عام طور پر ہم آپ کا سب کا یہ غلط خوف ہوتا ہے کہ حساب بہت مشکل مضمون ہے، عام بچے اس میں کمزور ہی رہتا ہے۔ ہم اپنے اس خوف کو بچہ میں اُس وقت منتقل کر دیتے ہیں جب اُس نے ابھی حساب پڑھنا شروع بھی نہیں کیا ہے۔ یہ ہم آپ سب کا بے بنیاد خوف ہے۔ بچہ تو اُس وقت سے حساب سیکھنا شروع کر دیتا ہے جب آپ کو احساس بھی نہیں ہوتا، اور نہ بچہ کو اس مضمون کے وجود کا علم ہوتا ہے۔ آپ اُسے ایک روٹی دیتی ہیں وہ سمجھتا ہے کہ ایک روٹی کیا ہوتی ہے۔ آپ اُسے دس پیسے دیتی ہیں، وہ پانچ پیسے کا چورن کھا لیتا ہے۔ آپ اُس

سے پوچھتی ہیں "تمہارے پیسے کیا ہوئے؟" وہ کہتا ہے: "پانچ پیسے کا میں نے چورن کھا لیا۔ پانچ پیسے یہ رہے!" کیا اس کے باوجود اُس کو جوڑ اور گھٹاؤ نہیں آتا؟ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی مرغیاں کتنی ہیں۔ اُس کے کھلونے کتنے ہیں، گڑیاں کتنی، گڈے کتنے، چڑیاں کتنی، موڑیں کتنی، ابو امی کتنے؟ سب ہی کچھ تو اُس کو معلوم ہے، پھر ہم کیسے کہہ دیں کہ اُسے حساب نہیں آتا، یا حساب اُس کے لیے مشکل ہے۔ بس مشکل وہاں پیدا ہوتی ہے جب اُس کی کاپی پر لکھی ہوئی گنتیوں میں ہم معنی پیدا نہیں کر پاتے۔ اگر اس گُر سے ہم واقف ہو جائیں تو ساری مشکل آسان ہو جائے گی۔

شروع شروع میں بچہ جب مدرسہ یا اسکول جاتا ہے، تو اُس کے لیے ایک نئی دنیا وجود میں آتی ہے۔ مدرسہ کا خوف کچھ تو ہم غیرارادی طور پر اُس کے ذہن میں بٹھا دیتے ہیں، اور کچھ وہ اجنبیت کی وجہ سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ ہم اسکول کے مسئلہ کو اس سنجیدگی سے اٹھاتے ہیں، اور اس قدر اسکی طرف سے فکرمند ہو جاتے ہیں کہ بچہ چوکنّا ہو جاتا ہے۔ اُسے یہ خطرہ ستانے لگتا ہے کہ جانے اسکول میں کیا ہو، اور اس کو کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑے۔ اس خوف کے ساتھ جب وہ اسکول پہنچتا ہے تو اُس کو ایک نئے ماحول سے واسطہ پڑتا ہے، جہاں ابّو، امّی، بھائی بہن کے بجائے اجنبی بچّے ہوتے ہیں جن سے اُس کا تعارف پہلی مرتبہ ہوتا ہے۔ استاد یا اُستانی بھی اس کے لیے مانوس شخصیت نہیں ہوتی۔ بہت سے بچّے اس نئے ماحول سے خائف ہو کر رونا شروع کر دیتے

ہیں، اور یہ تو بچوں کا مزاج ہوتا ہے کہ ایک کو دیکھ کر دوسرا بھی رونے لگتا ہے۔ بعض اسکولوں میں تو اس طرح بچوں کے باقاعدہ رونے کا پروگرام ہوتا ہے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ استاد یا استانیاں اس پریشان کن معاملہ میں بچوں کو تسلی دینے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں کے دل میں مستقل طور پر ایک خوف بیٹھ جاتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے تعلیم کی طرف سے بددل ہو جاتے ہیں۔

بعض والدین بھی اس خوف کو پروان چڑھانے میں خاصا بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اکثر صبح کے وقت رکشوں میں جاتے ہوئے، یا پیدل کندھے پر بستہ لٹکائے، بلند آواز سے روتے، زبردستی اسکول جاتے ہوئے چھوٹے بچوں کو آپ نے بھی دیکھا ہوگا۔ کیا ایسے بچے اپنے اسکول خوش دلی کے ساتھ پہنچتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ اگر آپ زبردستی ہی سے کام لیں گی تو بچہ بددل ہو جائے گا، اور تعلیم میں دلچسپی لینا پسند نہ کرے گا۔ اگر آپ شوق دلانے اور اسکول جانے کے لیے اُسے خوش دلی سے آمادہ کریں گی تو اسکول کے ماحول سے اُس کا خوف دور ہو جائے گا۔ اس لیے ہمیشہ اُسے محبت کے ساتھ اور اُس کی ذات میں پوری دلچسپی لے کر اسکول کے لیے رُخصت کیجیے۔

پانچ سال کی عمر تک بچہ اسکول میں ہمیشہ اپنے والدین کے ذکر کا موقع نکالتا رہتا ہے، کیونکہ اس کی توجہ کا مرکز اس کے والدین ہی ہوتے ہیں۔ ان کو وہ اپنے لیے مثالی ہستیاں تصور کرتا ہے۔ اس عمر کو پہنچنے تک

وہ دوسری ہستیوں میں بھی خوبیاں تلاش کرنے لگتا ہے۔ خاص طور سے گھر کے بعد اُس کا براہِ راست تعلق اپنے استادوں اور استانیوں سے ہوتا ہے۔ اس لیے اب وہ اُن کے اعمال اور برتاؤ میں دل چسپی لینے لگتا ہے۔ اپنے والدین کے سامنے بھی وہ اُن کے تذکرے کیا کرتا ہے۔ اس مرحلہ پر چند باتوں کا خصوصیت کے ساتھ آپ کو لحاظ رکھنا ہے۔

- بچہ کے سامنے اپنی ذات کی ایسی مثال پیش کیجیے کہ وہ صحت مند کردار کو اپنانے کی طرف مائل ہو، اور آپ کا ذکر کرتے ہوئے اُسے اُلجھنوں میں گرفتار نہ ہونا پڑے۔
- بچہ کے سامنے اُس کے اُستادوں یا اُستانیوں میں عیب تلاش نہ کیجیے۔
- بچہ کے سامنے استاد یا استانی کو جاہل یا نا اہل ثابت کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔
- استاد یا استانی کو اپنا حریف تصور نہ کیجیے۔

ان باتوں کا خیال نہ رکھنے کی صورت میں بچّہ کے دل سے اپنے استاد یا استانی کا احترام نکل جاتا ہے، جس کا اثر اس کی تعلیمی دل چسپی پر پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کردار کی کجروی میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔

گھر پر بچّہ کو پڑھنے کے لیے وقت نکالنے کا شوق دلایئے، بجائے اس کے کہ اُسے زبردستی پڑھنے کے لیے بٹھایئے۔ پڑھنے کے اوقات میں اُس سے گھر کے کام نہ لیجیے ورنہ تعلیم کی طرف سے اُس کی توجہ ہٹ جائے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ بعض اوقات آپ کو ایسی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ بعض اوقات کی بات الگ ہے، ورنہ زیادہ تر بچے کے پڑھنے کے اوقات میں بیشتر کام اپنے

ہاتھ سے ہی کرنے کی کوشش کیجیے۔ بچہ کو تعلیم کی طرف یکسو رہنے دیجیے۔

اسکول میں بچہ اپنے ہم جولی بنا لیتا ہے۔ اگر آپ ان ہمجولیوں کا جائزہ لیں تو اس نوعیت سے آپ کو بچہ کی تعلیم میں دلچسپی کا بھی اندازہ ہوجائے گا۔ بدشوق بچہ عام طور سے ایسے ہم جماعتوں کو دوست بناتا ہے جو درجہ میں کمزور ہوتے ہیں، لیکن تعلیم میں دلچسپی لینے والا بچہ ایسے ہم جماعتوں کو دوست بناتا ہے جو ذہین اور پڑھنے میں تیز ہوتے ہیں۔ اس طرح اگر آپ اُسے ذہین بچوں کو دوست بنانے کی ترغیب دیں تو تعلیم میں بھی اس کی دلچسپی بڑھ جائیگی۔

تعلیم کے دوران بچہ ایسی مشکلات میں بھی مبتلا ہوجاتا ہے کہ بعض سبق یا سوال اُس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ناتجربہ کار اُستاد اُس کی ایسی مشکلوں میں بھی مدد کرنے کے بجائے سزا دیتے ہیں، جو اُس کے لیے اور بھی زیادہ مشکل پیدا کردیتی ہے۔ والدین ایسے مسائل کی طرف یا تو توجہ نہیں دیتے یا بچہ کو ہی قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ یہ رویّہ بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ اگر آپ خود اس کے سبق یا سوال میں اُس کی مدد نہیں کرسکتے ہیں تو کسی اور کے ذریعہ اُس کی مشکل حل کرادیجیے، ورنہ اگر وہ ایک بار ناکام ہوا تو پھر آئندہ اپنی مشکل پر قابو پانے کی ہمت اُس میں پیدا نہ ہوسکے گی، اور وہ تعلیم میں کمزور ہوجائیگا۔

بہرحال، آپ کا رویّہ تعلیم کے معاملہ میں بچہ کے ساتھ ہمدردانہ اور معاونت کا ہونا چاہیے۔ صرف اس روش کے ساتھ بچہ اپنی تعلیم کامیابی کے ساتھ حاصل کرسکے گا۔

چند لفظوں میں

○ آپ اپنے تجربات اور تاثرات سے بچے کو کم سے کم خطرات، خدشات اور ناکامیوں کا سامنا کرنے دیں۔

○ اچھا انسان بنانے کے لیے اچھی تعلیم دیجیے۔

○ یاد رکھیے، جو باتیں بچے کے ذہن میں بٹھا دی جاتی ہیں عمر بھر باقی رہتی ہیں۔

○ "مت کرو" اور "نہ کرو" کے بجائے "یہ کرو" اور "وہ کرو" کی ہدایت دینے کا طریقہ اختیار کیجیے۔

بچے کی خصلتیں

○ خیال رکھیے بچے کے جو افعال آپ کو بے معنی نظر آتے ہیں، وہ انھیں کسی نہ کسی مقصد کے تحت کرتا ہے۔

○ بچہ زندگی کے ابتدائی دور میں ہر چیز کو کھیل ہی کی نظر سے دیکھتا ہے، یہی اس کی تعلیم کا ذریعہ ہے۔

○ بچوں کے ایسے کھیلوں میں، جن میں وہ خوشی محسوس کریں، کسی طرح کی رکاوٹ نہ ڈالیں، کیونکہ ان کے ذریعہ وہ بہت سی چیزوں کی حقیقت معلوم کرتا ہے۔

○ اکثر اوقات بچے کی شرارت اس کا ناکام منصوبہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی ناکامی کے موقع پر اس کی مدد کیجیے۔ ناراض ہو کر ہمت شکنی نہ کیجیے۔

○ بچے کے ہر عمل اور فعل پر اُسے شریر نہ کہیے، ورنہ وہ شرارت کو اپنا معمول بنالے گا۔

○ بچے کی نازیبا حرکت پر اُس کی اصلاح کیجیے، اُس کی ایسی حرکتوں سے لطف نہ لیجیے ورنہ وہ آپ کو خوش کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرے گا۔

○ بدتہذیبی اور بداخلاقی کی روک تھام کے لیے۔

(۱) اُس کی تیزی اور شوخی کو اچھے کاموں کی طرف موڑیئے۔

(۲) بے کار بیٹھ کر سوچنے کی فرصت نہ دیجیے۔

(۳) چیزوں کے بارے میں نئے نئے تجربے کرنے کی آزادی دیجیے۔

(۴) نئی چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر اُکسایئے۔

(۵) ہر شرارت پر ڈانٹ ڈپٹ سے کام نہ لیجیے۔

شرارت بچے کی قوّت فکر کا پیمانہ ہے۔

○ بچے کی لڑائی جھگڑے کی خصلت کو شروع ہی سے اچھے رُخ کی طرف موڑنے کے لیے:

(۱) بچے کے پاس کھیل کود اور مشغولیت کے لیے اتنا سامان ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے بچّوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(۲) دوڑ بھاگ کے کھیلوں میں بچے کو خوب حصّہ لینے دیں تاکہ وہ لڑائی کا موقع تلاش نہ کرے۔

(۳) جب دو بچے آپس میں اُلجھ جائیں تو اُن کی لڑائی کو ناراضگی کی لڑائی کے بجائے مقابلہ کی لڑائی بنا دیجیے۔

○ بچے کو اچھے کاموں کی نقل کرنے دیجیے، یہ زندگی کی ذمہ داریوں کو سیکھنے کا ذریعہ ہیں۔

○ بچہ شوق سے انھیں نقل کرتا ہے جن کو وہ خود سے برتر سمجھتا ہے۔

○ بچہ کے اردگرد ایسا ماحول بنائیں کہ جب اُس کو نقل کرنے کی خواہش ہو تو وہ اپنے سامنے اچھی ہی چیز نقل کے لیے پائے۔

○ بچہ نقل کر کے اپنی ناواقفیت کی معذوری کو دور کرتا ہے، اس کے لیے وہ آپ کا سہارا لیتا ہے، آپ اُسے تقلید کے لیے اچھے نمونے فراہم کریں۔ اپنے قول سے، اپنے عمل سے۔

بچوں کی آزادی

○ آزادی کو بچہ اپنا فطری حق سمجھتا ہے، اُسے مناسب حد تک آزادی دیجیے۔

○ بچہ بالکل نااہل نہیں ہوتا، کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جایئے۔

○ جب بچہ کو کسی کام کو کرنے کا سابقہ پڑ جائے تو اُسے کرنے دیجیے۔ یہ نہ کہیے کہ "تو کیا کر پائے گا"۔ البتہ جب غلطی کرنے لگے تو اُس کی مدد کیجیے تاکہ وہ صحیح کام کر سکے۔

○ آپ کی مدد کو حد سے آگے نہ بڑھنا چاہیے، ورنہ بچہ کی آزادی متاثر ہو جائے گی۔

○ بچہ کے لیے سب سے زیادہ مضر چیز یہ ہے کہ اس کے ساتھ بلاوجہ کی روک ٹوک روا رکھی جائے۔

- بچہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ آپ ہر وقت اس کی خامیوں کو گناتی رہیں۔ اسے خوب کھیلنے اور خوش رہنے دیں۔
- بچہ کی آزادی کو اس طرح سلب نہ کریں کہ اس کا دل نہ چاہتا ہو اور آپ زبردستی اس سے کام کرائیں۔

بچوں کے کھیل

- بچہ پر سب سے بڑی ذمہ داری کھیل کی ڈالیے۔ یہاں تک کہ تعلیم کو بھی کھیل بنا دیجئے۔
- کھیل کے ذریعہ بچہ کو کچھ سکھانا زیادہ آسان ہوتا ہے، بہ نسبت کام کے بوجھ کا احساس دلاکر۔
- ہمیشہ بچہ کو اپنے ہم عمروں میں اور اچھے اخلاق کے بچوں کے ساتھ کھیلنے اور دلچسپی لینے کے لیے ابھاریئے۔
- اس کا اہتمام کیجئے کہ کھیل میں بچہ اپنے ذہن پر زور ڈال کر اپنی الجھن حل کرنا سیکھ لے۔

ابتدائی تعلیم

- بچہ کو تعلیم کے لیے ایسی پڑوسنوں کے حوالہ نہ کیجئے جو بچہ کی تعلیم سے زیادہ اپنے گھر کے کاموں میں دلچسپی لیتی ہیں۔
- جن مدرسوں یا اسکولوں میں استانی یا استاد ہر بچہ کی طرف خصوصی توجہ نہیں دے پاتے وہاں بچہ کا ذہن ٹھٹھر کر رہ جاتا ہے۔
- بچہ مدرسہ یا اسکول میں چند گھنٹے رہتا ہے۔ اس کا بیشتر وقت

آپ کے پاس گذرتا ہے، اس لیے اس کی تعلیم کی ذمہ داری آپ پر زیادہ ہے۔

○ ابتدائی تین سال کی عمر تک بچہ لکھنا پڑھنا نہیں سیکھ سکتا۔

○ تین سال کی عمر تک بچہ جملے بنانے اور جملوں میں ربط پیدا کرنے میں دل چسپی نہیں لیتا۔

○ پانچ سال کی عمر تک اُس کے لیے تین یا چار الفاظ سے زیادہ کا جملہ ذہن پر بار ہوتا ہے۔

○ پانچ سال کی عمر تک عملی تعلیم زیادہ کامیاب ثابت ہوتی ہے۔

○ حساب مشکل مضمون نہیں ہے، اسے بچہ اُس وقت سے سیکھنا شروع کردیتا ہے، جب اُسے معلوم بھی نہیں ہوتا کہ حساب ہے کیا۔

○ پہلی بار جب بچہ اسکول پہنچتا ہے تو اس کے لیے وہاں کا ماحول اجنبی ہوتا ہے۔ اس اجنبیت کو ہوشیاری سے دور کرائیے۔

○ زبردستی اسکول روانہ کرنے کے بجائے، محبت کے ساتھ، اور اس کی ذات میں پوری دل چسپی لے کر اسکول کے لیے رخصت کیجیے۔ تاکہ اسکول جانے کا شوق پیدا ہو۔

○ پانچ سال کی عمر تک بچہ ہر موقع پر اپنے والدین کا ذکر کرتا ہے، پھر اپنے استادوں یا استانیوں میں بھی دل چسپی لینا شروع کردیتا ہے۔

○ بچہ کے سامنے اپنی ذات کی ایسی مثال پیش کیجیے کہ وہ صحت مند کردار کو اپنانے کی طرف مائل ہو، اور آپ کا ذکر کرتے ہوئے اُلجھنوں میں گرفتار نہ ہو۔

- بچّہ کے سامنے اُس کے استادوں یا استانیوں میں عیب تلاش نہ کیجیے۔
- بچہ کے سامنے استاد یا استانی کو جاہل یا نااہل ثابت کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔
- استاد یا استانی کو اپنا حریف تصوّر نہ کیجیے۔
- گھر پر بچّہ کو پڑھنے کے لیے وقت نکالنے کا شوق دلایئے۔
- پڑھنے کے اوقات میں اُس سے گھر کا کام نہ لیجیے۔
- اُسے ذہین بچوں کو دوست بنانے کی ترغیب دیجیے۔ تاکہ تعلیم میں بھی اُس کی دل چسپی بڑھے۔
- اگر بچہ کسی سوال یا سبق کو سمجھ نہیں پا رہا ہے تو اُس کی مدد کیجیے یا کرایئے۔
- تعلیم کے معاملہ میں بچہ کے ساتھ آپ کا رَوّیہ ہمدردانہ اور معاونت کا ہونا چاہیے۔

کردار کی تشکیل

اب تک بچہ کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ تفصیل سے بیان کرنے کی غرض سے ذرا پھیلا کر اور الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اب جبکہ ہم اس کی زندگی کے مختلف گوشوں سے واقف ہو چکے ہیں ہمارے لیے یہ معلوم کر لینا ضروری ہو گیا ہے کہ اس کی زندگی اور اس کی شخصیت کا مکمل اور یک جائی خاکہ کیا ہونا چاہیئے۔؟

بچہ میں جن صفات کو ابھارنے کی طرف اب تک توجہ دلائی گئی ہے ان کو سامنے رکھتے ہوئے اب اس کے بارے میں غور کیجئے کہ کیا وہ اس لائق ہو گیا ہے کہ سن شعور کو پہنچ کر وہ :-

- اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا اپنے لیے ضروری سمجھے گا۔؟
- اللہ تعالیٰ کے نافذ کیے ہوئے بندوں کے حقوق ادا کرنا۔ اپنے لیے ضروری سمجھے گا۔؟

○ اپنے عادات و اطوار کے لحاظ سے صحیح معنوں میں مسلم کہلا سکے گا؟

بچہ کو اس خاکہ کے مطابق تیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ شروع سے ہی اس کو ایسے ماحول میں پروان چڑھنے دیں جس میں وہ اپنی سرشت کے مطابق جن چیزوں اور جن افعال کو اختیار کرے وہ اس کی فلاح و بہبود کے لیے ہوں۔ ایک بچہ کی سیرت عموماً ویسی ہی ہوتی ہے جیسی اس کے گرد و پیش کے لوگوں کی ہوتی ہے۔ اس طرح (جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں) سب سے بڑی ذمہ داری اس کے ماحول، اس کے گرد و پیش کے سنبھالنے کی ہوتی ہے۔ ایک آئینہ میں بالکل ویسا ہی عکس پڑتا ہے جیسا کہ اصل کی صورت میں اس کے سامنے ہو۔ اسی طرح ایک بچہ انہی چیزوں کو اختیار کرے گا جن کو اس کے دوسرے بزرگ اختیار کیے ہوئے ہیں۔

اگر اس کے والدین اور دوسرے گھر والوں کے دل میں خدا کا خوف ہے اور وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ اللہ کی جزا و سزا کا احساس بھی اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ اور اپنے تمام اعمال کو ان حدود کے اندر ہی رکھتے ہیں، تو یہ تقریباً ناممکن ہوگا کہ بچہ ویسا نہ بنے۔

ہم عام طور سے دیکھتے ہیں کہ گھر والے تو بڑے ہی بھلے اور نیک ہیں لیکن بچے ان کے بالکل برعکس ہیں۔ اگر ماں باپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو بچہ اللہ تعالیٰ کا مذاق اڑاتا ہے۔ اگر ماں باپ فرائض دینی ادا کرتے ہیں تو بچہ جرائم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں

بس یہی سمجھ کر نہ بیٹھ جانا چاہیے کہ بچے کی اپنی سرشت کی خرابی ہے بلکہ دیکھیے کہ وہ اصل خامی اور کوتاہی کہاں ہے جس نے اس میں ان خرابیوں کو پروان چڑھنے کا موقع فراہم کیا؟

عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ بچہ کو اس زمانہ میں بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، جب واقعی وہ اپنی سیرت کی تعمیر کر رہا ہوتا ہے اور یہ پانچ سال تک کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ غلط سلط بنیادوں پر اپنی عمارت کھڑی کر چکا ہوتا ہے، تو ایک دم سے اس کی فکر کی جاتی ہے۔ حالانکہ اب بہترین زمانہ ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔ اب تو زیادہ سے زیادہ آپ اتنا کر سکتی ہیں کہ آیندہ اس کو بگڑنے نہ دیں، اور اس نے جو خرابیاں اختیار کر لی ہیں اُن کو بڑی کوشش اور کاوش سے دُور کریں۔

اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ زندگی کی تعمیر شروع اس طرح کی جائے کہ سب کچھ ہم ہی بنائیں نہ کہ کسی اور کے بنائے ہوئے کو پہلے بگاڑیں اور پھر اپنی بنیاد رکھیں۔ ایک بار اگر آپ کسی کاغذ پر چند نقوش بنالیں، پھر ان کو مٹا کر جب آپ دوبارہ نقوش بنائیں گی تو آپ خود دیکھیں گی کہ دوبارہ بنائے ہوئے نقوش کسی قدر بھدے ہیں۔ اس لیے پہلی اینٹ آپ اپنے ہاتھ سے رکھیں، اور وہ ہے اپنے ماحول کو مسلمان بنانا۔ پھر اس نئی تعمیر کے لیے آپ قرآن و سنت کو ذریعہ بنائیں۔ اس میں جن خوبیوں کو مسلم کی خوبیوں کے ساتھ گنایا گیا ہے، انھیں آپ اپنے بچے میں بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

مثلاً بچے میں خوف اگر کسی کا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا ہو۔ اس کو ایسے واہموں میں مبتلا نہ کر دیں جو اُس کو بزدل اور کم ہمت بنا دیں۔ بچہ کے دل میں جب یہ بات بیٹھ جائے کہ نفع و نقصان پہنچانے والا اللہ تعالےٰ ہی ہے کوئی اور ذات، کوئی اور ہستی نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ تکلیف۔ تو پھر وہ بہادر، نڈر، اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنے والا بنے گا۔ اس کے اندر سے بہت سے خوف اور وسوسے خود بخود رخصت ہو جائیں گے۔ یہ یونہی ہو سکتا ہے کہ جب آپ اس میں خوف اور ہراس کا ذرا سا بھی شائبہ پائیں تو آپ اس کی ہمت بندھائیں۔ آپ کا سہارا اس کے لیے بہت بڑا سہارا ثابت ہو گا۔

اسی طرح جب آپ اس کو چھوٹی موٹی تکلیفوں کو نظر انداز کر دینے اور ان کو اہمیت نہ دینے کی طرف اُکسائیں گی تو وہ بڑا ہی بلند ہمت انسان بن کر پروان چڑھے گا، پھر اس کے اندر جگہ جگہ پر جھجک اور اجنبی پن محسوس کرنے کی کمزوری جگہ نہ پا سکے گی۔ زندگی کی دوڑ میں ایسے ہی لوگ آگے نکلتے ہیں جو کم ہمت نہیں ہوتے۔

بلند ہمتی کے ساتھ بچہ میں برداشت اور صبر کا مادہ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور یہ مسلمان کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ایک ہے۔ صبر اور برداشت سے کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ میں مجبوری اور لاچاری کے لیے تیار کر رہا ہوں۔ دراصل صبر اور برداشت وہ وصف ہے جو انسان کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنا دیتا ہے۔ بڑی سے بڑی تکلیف کو برداشت کر لینا اور بُرے سے

بُرے وقت میں ہنسی خوشی دن گزار لے جانا ممکن ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس بات کی گواہ ہے۔ آپؐ شعب ابی طالب میں تقریباً تین سال تک اپنے تمام مسلم ساتھیوں کے ساتھ کفار کے ہاتھوں اس طرح رہے کہ اناج کا ایک دانہ تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ مسلمانوں نے پرانے چمڑے کے ٹکڑوں تک کو اُبال کر کھایا لیکن اپنی حالت پر جمے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وہ ذرائع پیدا کر دیئے کہ وہ آزاد ہو جائیں۔ لیکن فرض کیجئے! اگر وہ چیختے چلاتے اور پناہ کے طالب ہوتے تو کیا آج اسلام اس طرح عالمگیر ہو سکتا؟ اور اُن کے سروں سے وہ مصیبت ٹل سکتی؟ ایسا کبھی بھی نہ ہوتا، بلکہ یہ چیخنا چلّانا مصیبت کے احساس کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اور وہ اور زیادہ پریشان ہو جاتے۔

آج کل ہمارے گھروں میں کچھ یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ملازمہ نے بستر نہیں تہہ کیے۔ بس اتنی سی بات پر کوسنا اور بکنا شروع ہو گیا۔ "میری تو زندگی اجیرن ہے، جس کے گھر میں اتنے اپنے ملازم ہوں وہ بھی اپنی جان کو روئے۔ اللہ کی شان ہے۔ خاک پڑے میں مر جاتی تو اچھا ہوتا۔" بھلا غور کیجیے کہ ان جلی کٹی نے کہیں بستر تہہ کر دیا؟ نہیں، بلکہ گھر کی فضا کو اور بھی زیادہ مکدّر کر دیا۔ اب ملازمہ کی باری آتی ہے، وہ بھی چیختی چلّاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر کا ہر فرد بالکل ایسے چڑچڑے پن سے پیش آنے لگتا ہے کہ گھر ایک جہنم بن جاتا ہے۔ بھلا

ایسے گھر والوں پر کوئی بڑی مصیبت آجائے تو اُن کا کیا حشر ہو؟ اس وقت تو شاید وہ واقعی خودکشی کرلیں۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ ایسے گھرانوں میں پرورش پانے والے بچے کسی بڑے کام کو ہاتھ میں لینے سے گھبراتے ہیں۔ مصیبت میں ان کے ہاتھ پیر بھول جاتے ہیں مصیبت کا وہ مقابلہ کر نہیں پاتے، کیونکہ انہوں نے تو اپنے گھر والوں کو ذرا ذرا سی بات پر کہرام مچاتے ہوئے دیکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس زندگی ہی میں بہت بڑے خسارے میں رہتے ہیں۔

اس سے بچانے کے لیے یا یوں کہیے کہ ان میں صبر اور برداشت کا مادہ پیدا کرنے کے لیے گھر کے ماحول کو بڑا سنجیدہ بنایا جائے۔ گھر میں لوگ کسی چھوٹی سی بات پر چیخ نہ اٹھیں اور نہ اس کے جگہ بے جگہ پیشاب پاخانہ کر دینے پر جلی کٹی سنانا شروع کر دیں۔ بلکہ بڑے ہی تحمل کے ساتھ وہ کچھ انجام دیں جس کے کر چکنے کے بعد وہ کام ختم ہوتا ہے۔ خود بچہ کو بھی بتائیں کہ تم تو بڑے اچھے لڑکے ہو، پھر تم اتنی ذرا سی بات پر کیوں رو دیئے۔ دیکھو اس طرح کام تو ہو جائے گا۔

اب ایک اور صفت جو اس کے لیے ضروری ہے وہ خوش طبعی ہے، یعنی دوسروں سے وہ ملے یا بات کرے تو اس کی باتوں سے لوگوں کے دل کھل اٹھیں اور وہ محسوس کریں کہ واقعی انھوں نے ایک پیارے بچے سے بات کی ہے جس نے ان کے دل میں جگہ کر لی ہے وہ تمام لوگ جو دوسروں کے دل اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں، ان کی یہی صفت ہوتی ہے۔ خود حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے آپ جب بھی لوگوں سے گفتگو فرماتے تھے تو آپ کے ہونٹوں پر بڑی ہلکی سی مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی تھی یہ ایک ایسی خوبی ہے جو دوسروں کے دل میں خود بخود یہ بات پیدا کر دیتی ہے کہ اس کا مخاطب اس سے گفتگو کرتے ہوئے مسرّت محسوس کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ بھی بڑی محبت سے گفتگو کرتا ہے۔ برخلاف اس کے ہمارے گھروں میں ہر بات ناک بھوں چڑھا کر کی جاتی ہے۔ ایک دوسرے کی بات کا جواب برہم ہو کر دیا جاتا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ کیا اس سے بچہ کے اندر نفرت کے جذبات پرورش نہیں پاتے ہیں؟ کیا اس سے اس کے اندر سے رحمدلی فنا نہیں ہو جاتی ہے؟ یہ کتنا بڑا ظلم ہے؟ اس سے ہم کو کس قدر دُور رہنے کی ضرورت ہے؟

یہ درست ہے کہ قہقہے لگاتے رہنا اور بے کار کے ہنسی مذاق میں اُلجھے رہنا مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اسی طرح مسلمان کا بداخلاق اور تلخ گفتار ہونا بھی تو زیب نہیں دیتا۔ آپ کو وہ حدیث تو یاد ہوگی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو عورتوں کا ذکر کیا گیا۔ جن میں سے ایک نوافل زیادہ سے زیادہ ادا کرتی تھی لیکن اپنے پڑوسیوں سے بداخلاقی برتتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جہنمی قرار دیا تھا، اور اس عورت کو جو نوافل ادا نہیں کرتی تھی، اور کرتی تھی تو بہت کم، لیکن پڑوسیوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آتی تھی، آپؐ نے اس کو جنتی قرار دیا تھا۔ اب اس حدیث کو سامنے رکھیے اور خوش طبع اور با اخلاق انسان کے بارے میں سوچیے کہ وہ اللہ

تعالیٰ کی کس قدر خوشنودی کا مستحق ہوگا۔

بس اسی لیے آپ کے واسطے ضروری ہے کہ گھر کے ماحول کو بچہ کی اعلیٰ سیرت کے مطابق بنائیں اور خود اس کو بھی شگفتہ اور دوسروں کے لیے شیریں کلام بنانے کی کوشش کریں۔ یعنی اس کو عملاً سمجھاتی رہیں کہ کس وقت اس نے اچھی طرح گفتگو کی اور کس وقت غلط، اور کس طرح گفتگو اور دوسروں سے برتاؤ کرنا پسندیدہ ہے اور کونسا طریقہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے؟ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند ہی اس زندگی کا واحد مقصد ہے۔

خوش طبعی بذاتِ خود کئی خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ یعنی اس سے دوسروں کے لیے ہمدردی، اُن کے آڑے وقت میں کام آنا، غریبوں کی مدد کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا وغیرہ قسم کی عادات خود بخود پرورش پاتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ خوش طبعی دکھاوے کی نہ ہو، بلکہ فطری ہو، اور تمام لوگوں کے ساتھ ہو خواہ امیر ہوں یا غریب، خواہ والدین ہوں یا ملازم!

بچوں میں ایک غلط عادت عام طور سے اپنے پرائے کی ڈال دی جاتی ہے۔ جب وہ کوئی چیز کھانے یا لینے کی طرف رغبت نہیں رکھتا ہے تو کہا جاتا ہے "لے لو ورنہ آپا کو دے دوں گی"۔ اب بچہ آپا کو اپنا حریف سمجھنے لگتا ہے، اور یہ باور کرنے لگتا ہے کہ اُس کی بہن کو کسی چیز میں حصہ دار نہیں ہونا چاہیئے۔ یہی خود غرضی آگے بڑھ کر دوسروں کے ساتھ بھی نہ عمل میں لاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بذاتِ خود بڑا ہی کنجوس اور خود غرض

بن جاتا ہے، حالانکہ اس کے اندر انفاق کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے دل کے اندر اتنی وسعت ہونی چاہیئے کہ وہ دوسروں کے وقتِ ضرورت پر کام آسکے۔ اُس کو اپنی چیزوں سے اتنی زیادہ محبت نہ ہونی چاہیئے کہ دوسرے تو اس کے لیے تڑپتے رہ جائیں اور وہ اپنی چیز کو بے مصرف خود سے چھپائے رہے۔

انفاق کی عادت ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ گھر والے ایسے مظاہرے نہ کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ اپنی قینچی بھی پڑوس میں اس لیے دینا نہیں چاہتے کہ وہ اپنی قینچی کیوں نہیں رکھتی ہیں؟

اور یہ بھی ضروری ہے کہ بچہ کو اپنی چیزوں میں دوسروں کا حصہ لگا لے دیا جائے۔ دوسروں کی طرف سے یہ حسد نہ پیدا کرائی جائے کہ اگر وہ نہ لے گا تو دوسرا اس کا مالک بن جائے گا۔

عام طور سے بچے کے بارے میں یہ سوچا جاتا ہے کہ وہ بچہ ہے۔ وہ ابھی سوچ بچار کیا کر سکتا ہے؟ یہ بڑا خطرناک تصوّر ہے۔ بچہ کو اگر چھوٹی چھوٹی چیزوں پر غور کرنے کے لیے اُکسایا جاتا رہے گا تو آئندہ زندگی میں وہ بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کر سکے گا اور اُن کے حل کے لیے اچھی اچھی تدبیریں سوچے گا۔ بڑے بڑے لوگوں کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ بچپن میں وہ دوسرے بچّوں کے برخلاف کھیل کود میں اپنا سارا وقت ضائع نہیں کر دیتے تھے بلکہ اپنی چیزوں کے بارے میں اکثر اکیلے بیٹھ کر سوچا بھی کرتے تھے۔ اسی غور و فکر نے ان میں یہ صفت پیدا کر دی ہے کہ

ایسے اشخاص نے بڑے بڑے طبقوں کی فکری رہنمائی کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے:۔

"تفکّر و تدبّر بھی عبادت ہے"۔

غرض اسی طرح کی کتنی ہی صفات ہیں جن کو اگر آپ آہستہ آہستہ بچّے کے اندر پیدا کرنا شروع کر دیں تو وہ ایک دن اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن کر دُنیا کے سامنے خود کو پیش کرے گا، پھر ایسے ہی بندے اللہ تعالیٰ کی اس کائنات کو خیر و فلاح سے بھر دیں گے۔ اور اس وقت ہی آپ اپنی اس آزمائش میں کامیاب ہو سکیں گی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی شکل میں آپ کے لیے مقرر کیا ہے۔

کردار کی تشکیل کے لیے ہمت افزائی بہت ضروری ہے۔ کسی بھی موقع پر بچّے کو آپ یہ احساس نہ ہونے دیں کہ وہ بے کار کوشش کر رہا ہے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیز آپ کا اس کے ساتھ خلوص اور دلچسپی ہے۔ تیسری چیز آپ کا کثرت سے ان مثالوں کو پیش کرنا ہے جو اس کے عمل کرنے کے لائق ہوں۔ ایسی چیزوں کی مثالوں سے اُسے دُور رکھنا ہی اچھا ہوگا۔ جو اس کو نہیں کرنی ہیں ورنہ آپ جانتی ہیں کہ کسی موقع پر بھی اس کو یہ ترغیب ہو سکتی ہے کہ وہ ان کو بھی کر گزرے۔

چند لفظوں میں

○ بچّے کے اعلیٰ کردار کے لیے ایسا ماحول فراہم کیجئے جو اُس کی سرشت کے

مطابق ہو اور اس کی فلاح و بہبود کا ضامن ہو۔

- بچہ پانچ سال کی عمر میں اپنی شخصیت کی پوری تعمیر کر لیتا ہے۔
- آپ کو اُسے جو کچھ بنانا ہے اس عمر میں ہی بنا لیجئے۔
- پانچ سال کے بعد کردار کے بناؤ بگاڑ میں بچہ کی قوتیں ضائع ہوتی ہیں۔
- کردار کی تشکیل کے لیے ہمت افزائی بہت ضروری ہے۔
- آپ کا خلوص اور دلچسپی دوسری ضروری چیز ہے۔
- قابلِ تقلید اور لائقِ عمل مثالوں کا پیش کرتے رہنا تیسری ضروری چیز ہے۔
- منفی اور مضر مثالوں کا تقریبًا نہ پیش کرنا ہی سود مند رہے گا۔

آخری بات

اب آیئے آخر میں اُن غلط فہمیوں کو بھی دور کر دیا جائے جو اس کتاب کو پڑھتے ہوئے آپ کے ذہن میں پیدا ہو گئی ہوں گی۔

دیکھیے پہلے اس بات کا خاص طور سے لحاظ رکھیے کہ اگر آپ کے بچہ میں چند ایسی خامیاں ہیں جن کا تذکرہ یہاں ہو چکا ہے تو یہ نہ تصور کر لیجئے کہ وہ بالکل ناقص ہے، وہ بہت ہی بُرا ہے، اور آپ اس سے نفرت کرنے لگ جائیں۔ اس طرح تو اس میں وہ خامیاں اور بھی جڑ پکڑتی چلی جائیں گی اس کے برخلاف اگر آپ چاہتی ہیں کہ اس کی خامیاں دُور ہوں تو اُس میں کچھ خوبیوں کو بھی تلاش کیجئے۔ پھر ان خوبیوں کو اس کے سامنے اکثر بیان کیجئے اور اس سے مطالبہ کیجئے کہ دوسرے معاملات میں بھی وہ ایسا ہی اچھا بن جائے اس طرح بچے کو اپنے بارے میں اصلاح کا خیال ہوگا۔ اور وہ اپنے کردار کو سُدھار سکے گا۔

دوسری بات جو اسی طرح اہم ہے وہ یہ ہے کہ بچہ کبھی ایک ساتھ اپنی تمام خامیوں سے سبک دوش نہیں ہو سکتا۔ بچہ کیا کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ البتہ کوشش یہ کیجیے کہ وہ ایک ایک کر کے اپنی خامیوں کو دُور کرے اگر اس طرح کا سدھار آپ اس میں محسوس کرتی ہیں تو مراد پوری ہو رہی ہے۔

تیسری بات بھی کافی اہم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کردار کی تعمیر یا سدھار ایک دن میں نہیں ہو جاتی۔ اس کے لیے صبر، تحمل اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہے۔ بعض اوقات تو کسی اچھائی کو اختیار کرنے اور کسی بُرائی کو چھوڑنے میں مہینے کے مہینے لگ جاتے ہیں۔

ہاں یہ بات بھی آپ کی توجہ کے لائق ہے کہ آپ بچّے سے قطعاً یہ توقع نہ کریں کہ وہ ساری کی ساری خوبیوں کا حامل رہے گا۔ زندگی میں کوئی غلطی کرے گا ہی نہیں۔ وہ بچہ ہے اور تجربے کر رہا ہے اس لیے اس سے غلطیاں بھی ہوں گی، وہ بھول، چوک بھی کرے گا۔ البتہ آپ ان کو لبا اوقات بے انتہا اہمیت نہ دیں اور بچہ کو ناقابلِ اصلاح نہ تصور کرنے لگ جائیں، بلکہ اُس خامی کو بڑی خاموشی اور ہوشیاری کے ساتھ دور کر دیں کیونکہ بچہ جس قدر جلد ایک چیز کو اختیار کر لیتا ہے اسی قدر جلد وہ اس کو چھوڑ بھی دیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس جدوجہد کو کامیابی سے نوازے! آمین!

٭ ـــ ٭ ـــ ٭

گھریلو جھگڑے

(ابن فرید ایم، اے)

علم نفسیات کی روشنی میں لکھی ہوئی خواتین کی اصلاح کے لیے ایک نہایت مفید کتاب جس میں گھریلو زندگی کی تلخیوں کا نفسیاتی تجزیہ اور ان کا اسلام کی دی ہوئی ہدایات کی روشنی میں عملی حل بتایا گیا ہے۔

پانچواں اڈیشن۔ قیمت پیپر بیک۔۔ چار روپے

Rs 4/-

ہم کیسے رہیں؟

ابن فرید ایم اے

خوشگوار زندگی گذارنے کے لیے مفید مشورے۔ اُردو میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب۔ جس میں نفسیات اور قرآنی تعلیمات، دونوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ قیمت:۔ دو روپے چالیس پیسے

مکتبہ الحسنات رامپور۔ یوپی

ہمارا بچّہ

مظہر جہاں بیگم

بچّوں کی پرورش کی طرف توجہ دینا والدین کا ایک اہم فرض ہے، ترقی یافتہ ملکوں میں اس مسئلے کی طرف بڑی توجہ دینا والدین کا ایک اہم فرض ہے ترقی یافتہ ملکوں میں اس مسئلے کی طرف بڑی توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے یہاں معلومات اور وسائل کی کمی کی وجہ سے اس مسئلے کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ہمارے یہاں اس ضرورت کے لیے لٹریچر بھی موجود نہیں۔

کتاب ہمارا بچّہ

اسی احساس کے تحت ترتیب دی گئی ہے۔ اُردو جاننے والی بہنوں کے لیے، خاص طور پر ناتجربہ کار والدین کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی کتاب اس قابل ہے کہ ہر گھر میں پڑھی جائے۔ قبل ولادت سے لیکر ڈھائی سال کی عمر کے بچوں کے بارے میں نہایت مفید معلومات اور ضروری مشورے۔

قیمت صرف :- تین روپے بیس پیسے Rs 3/20

مکتبہ الحسنات رامپور۔ یوپی

بچوں کا کھیل

بچے کو پڑھائی کی طرف رغبت دلانے کے لیے ضروری ہے کہ بچے کو کھیل ہی کھیل میں تعلیم دی جائے اور اس کے لیے ایسے کھیل مہیا کیا جائیں جن سے وہ دلچسپی بھی لے اور پڑھنا بھی سیکھ جائے۔ اسی ضرورت کے تحت ہم نے لکڑی کے ۱۵ مکعب ٹکڑے جن پر نہایت خوبصورت چھپی ہوئی رنگین تصویریں الف سے لے کر ی تک حروف اور ایک سے لے کر دس تک گنتی، تیار کیے ہیں۔

ان کو دیکھ کر بچہ آپ ہی لپکے گا

حروف اور گنتی کی پہچان بھی کرے گا۔ ساتھ میں آپ کے لیے ایک کتابچہ، جس سے آپ اُس کو ہدایت دے سکیں گے۔

قیمت: صرف ساڑھے تین روپے 3/50 Rs

مکتبہ الحسنات رام پور۔ یوپی